

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224533

UNIVERSAL
LIBRARY



انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

ایڈیٹر

عبدالحق بی۔ اے (علیگ)

آہری سکریٹری

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اردو

- ۱ - یہ انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوا کرتا ہے۔
 - ۲ - یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے۔ حجم کم از کم تیرہ سو صفحے ہوتا ہے۔
 - ۳ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے سکہ انگریزی (مع محصول ڈاک وغیرہ آٹھ روپے سکہ عثمانیہ)۔
 - ۴ - تمام خط و کتابت مولوی عبداللحق صاحب بی اے، انریزی سکریٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاہیے۔
- المشتر: انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اردو و سائنس

کالم ایک بار کے لئے چار بار کے لئے
 دو کالم یعنے پورا ایک صفحہ ۸ روپے سکہ انگریزی ۳۰ روپے سکہ انگریزی
 ایک کالم (آدھا صفحہ) ۴ روپے سکہ انگریزی ۱۵ روپے سکہ انگریزی
 نصف کالم (چوتھائی صفحہ) ۲ روپے ۴ آنے سکہ انگریزی ۸ روپے سکہ انگریزی
 جو اشتہار چار بار سے کم چھپوائے جائیں گے ان کی اجرت کا ہر حال میں پیشگی وصول ہونا ضروری ہے البتہ جو اشتہار چار بار یا چار سے زیادہ بار چھپوایا جائے گا ان کے لئے یہ رعایت ہوگی کہ مشتر نصف اجرت پیشگی بھیج سکتا ہے اور نصف چاروں اشتہار چھپ جانے کے بعد منہجہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ سبب بتائے بغیر کسی اشتہار کو شریک اشاعت نہ کرے یا اگر کوئی اشتہار چھپ رہا ہو تو اُس کی اشاعت کو ملتوی یا بند کر دے۔

المشتر منہجہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

انجمن اردو پریس، اردو باغ اورنگ آباد دکن
 میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اردو سے شایع ہوا

اردو

حصہ ۶۵

جنوری سنہ ۱۹۳۷ ع

جلد ۱۷

انجمن ترقی اردو کا بے ماہی رسالہ

اورنگ آباد (دکن)

اردو

فہرست مضامین

بابت جنوری سنہ ۱۹۳۷ ع

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	نذر عقیدت بہ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ	از جناب مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سہیل جانشین کالج آگرہ	
۲	پروانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں	ایڈیٹر	۱
۳	ہلکامہ دل آشوب	از جناب مولوی سید عطا حسین صاحب ایم اے	۵۰
۴	ترقی اردو کا واحد ذریعہ دوسن	از جناب مسعود اجیل خان صاحب ایم اے - محقق اسلامیات شانتی نکتہ (بمکال)	۱۰۵
۵	آکسفورڈ - (نظم)	از جناب فضل احمد کریم صاحب فاضلی	۱۲۷
۶	خراب آباد	از جناب عزیز احمد صاحب بی اے - عثمانیہ (یونیورسٹی کالج لندن)	۱۳۶
۷	ادبی معلومات	ادارہ	۱۷۸
۸	افکار و واقعات	ایڈیٹر	۱۸۵
۹	تبصرے	ایڈیٹر و دیگر حضرات	۲۲۲

نذر عقیدت بہ اعلیٰ حضرت خلد اللہ مملکہ

(بتقریب جوہلی)

از

(حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جائسن کالج آگرہ)

(۱)

وہ کان علوم ہیں، وہی جان علوم ہے شان رفیع ان کی، شایان علوم
عثمانیہ یونیورسٹی خود ہے گواہ زیبا ہے کہیں جو ان کو ”سلطان علوم“

(۲)

شائع جملے علوم اسلام ہوئے قرآن کے سبب جہاں میں عام ہوئے
کہونکر نہ ہو جامع علوم ان کی ذات جب جامع قرآن کے وہ نام ہوئے

(۳)

اللہ جو بلندوں پہ کھا کرتا ہے انعام ہوتی ہے اس انعام کی کچھہ اصل و بقا بھی
ہے ایک غلیٰ، ایک ولی نام میں موجود حاصل نہ ہو کہیں ان کو ولایت بھی غلابی

(۴)

(فارسی)

ہو کہ بروئے کد انعام خدائے برتر ذی حشم باشد و ذی عزت و ذیشان باشد
نام عثمان علیٰ مسلک اور است دلیل کہ سستی خلفا پھر و ایشان باشد

(۵)

'عثمان' اور 'علی' سے مرکب جو نام ہے ظل خدا ہے اس پہ، وہ ظل خدا بھی ہے
دونوں کا اجتماع ہے اس امر کا ثبوت جو صاحبِ فنا ہے وہ مشکل کشا بھی ہے

(۶)

ہوں کہوں نہ وہ خود حیا مجسم ہمام حیا مآب (رہ) بھی ہیں
ہو کہوں نہ پسند انہیں تواضع ہمام ابو تراب (رہ) بھی ہیں

(۷)

کسی سلطنت میں دکن کے سوا مکمل نظر آئے گا کم نظام
نظام دکن کی ہو توصیف کیا نظام دکن ہیں مجسم نظام
نظام سلطنت دکن ذات اعلیٰ حضرت

(۸)

سختن باغ ' وہ باغبان سختن نہ کہوں ہو پر از رنگ و بو گل کلام
انہیں پر ہے صادق یہ 'حامد' مثل کلام الملوک ملوک الکلام



پرائی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں

از

آدیٹر

آسمانی صحیفوں کے ترجمے کی مخالفت تقریباً ہر ملک اور ہر قوم میں کی گئی ہے۔ اور یہ مخالفت ہمیشہ علمائے دین کی طرف سے ہوئی۔ وجہ یہ کہ یہ لوگ اپنے کو علومِ دینیہ کا خاص ماہر اور اسرارِ الہی کا وارث خیال کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ باتیں عام ہو جائیں۔ عام ہونیں تو لوگ ایک حد تک ان بزرگوں سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اس سے ان کی بڑائی اور فضیلت میں فرق آجائے گا۔ بعض اوقات مخالفت اس لیے بھی کی گئی کہ ترجمے اور تفسیریں ان کے ملشا کے خلاف تھیں اور ایسے مترجمین اور مفسرین کو تکلیفیں اور عقوبتیں پہنچائی گئیں۔ یہ درش کسی خاص ملک یا قوم سے مخصوص نہ تھی بلکہ ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ زمانہ وسطیٰ میں یورپ میں انجیل و توریت کے مترجمین کو طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں اور علما کی مجلس نے ان صحیفوں کے ترجموں کے متعلق امتناعی احکام جاری کیے۔ ریمس (علاقہ فرانس) کے ایک نان ہائی ایشادۃ ناسی کو بعض عقائد کی بنا پر جن کی وہ تلقین کرتا تھا علما کی مجلس نے مردود ٹھہرا یا، کفر کا فتویٰ صادر کیا اور

زندہ چلا دیا۔ اور اس کے ساتھ مجلس نے فرانسیسی زبان میں بائبل کے ترجمے کی ممانعت کر دی *۔ ترجمہ کرنا تو درگزار کسی کے پاس دیسی زبان میں ترجمے کا پایا جانا بھی جرم تھا۔ آکسفورڈ میں آج بشپ ارنڈل کی زیر سرپرستی سنہ ۱۳۰۸ ھ میں ایک مجلس منعقد ہوئی اور اس میں یہ احکام صادر کیے گئے کہ "کوئی شخص اپنے اختیار سے بائبل کے کسی نسخے کا ترجمہ انگریزی یا کسی دوسری زبان میں کتاب یا کتابچے یا رسالے کی صورت میں کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ نیز کوئی شخص ایسی کتاب یا کتابچے یا رسالے کا نسخہ کے طور پر یا عام طور پر پڑھنے کا مجاز نہیں جو جان و کلف یا اس کے بعد یا اب لکھا گیا ہو، خواہ وہ ترجمہ کلا ہو یا جزو۔ ورنہ اس کی خلاف ورزی میں وہ کفر و معصیت کا حامی تصور کیا جا کر قابل سزا سمجھا جائے گا"†۔ اس زمانے میں انگریزی بائبل کے بعض ترجمے ہوئے لیکن کسی مطبع کو ان کے چھاپے کی جرأت نہ ہوئی۔ مثلاً ولیم ٹنڈیل نے ایک ترجمہ کیا اور جب اس نے دیکھا کہ یہاں اس کا چھپنا ممکن نہیں تو بھاگ کر ہیمبرگ میں پناہ لی اور کولون میں اپنا ترجمہ چھپوانا شروع کیا۔ ابھی کتاب زیر طبع تھی کہ فریڈرک فورٹ کے ذہن کو اس کی سن گن معلوم ہوئی اس نے نہ صرف کولون کی سمٹ کے ذریعے اس کی طباعت روک دی بلکہ ہڈری ہشتم اور ولزی کو لکھا کہ انگلستان کی باندراگاہوں میں خاص طور پر نگرانی رکھی جائے کہ اس ترجمے کا کوئی نسخہ وہاں داخل نہ ہونے پائے۔ ٹنڈیل نے یہ رنگ دیکھا تو (Worms) بھاگ گیا اور جس قدر چاہے ہوئے فرمے ہاتھ لگے ساتھ لیتا

* مئی ایول کلچر مؤلفہ ہیگلس صفحہ ۲۳۸۔

† انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا جلد ۳ صفحہ ۸۹۷۔

گیا۔ وہاں یہ ترجمہ طبع ہوا۔ سنہ ۱۵۲۶ ع میں اس کے نسخے انگلستان پہنچے۔ لیکن ان کے برباد اور تلف کرنے میں اس قدر سعی اور جدوجہد کی گئی کہ سوائے چند ناقص اجزا کے جو برٹش میوزیم میں موجود ہیں اس کا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ اس کی عمر زیادہ تر جلا وطنی میں گزری۔ پادری اور حکومت اس کے درپے تھے۔ آخر سنہ ۱۵۳۵ میں گرفتار ہوا۔ سنہ ۱۸۳۶ ع میں پھانسی دی گئی اور لاش دھکتی ہوئی آگ میں جھونک دی گئی۔ انگریزی بائبل کا کوئی حصہ سنہ ۱۵۲۵ ع سے قبل طبع نہ ہوا اور یورپی بائبل سنہ ۱۵۳۸ ع سے پہلے شایع نہ ہوئی۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ (رح) نے سب سے پہلے سنہ ۱۱۵۰ھ میں قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ مولف حیات ولی نے شاہ صاحب کے ایک فاضل ہم عصر کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب ”اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملائوں کے گروہ میں برپا ہو گیا“ اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے وہ شاہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے اور ان کے قتل کی فکر میں رہنے لگے۔ یہ ترجمہ شایع کرنے کا ذکر ہے، زبانی ترجمہ پڑھانے کے بھی ہمارے ملا اور علما شدید مخالف تھے۔ میرے ایک دوست جن کے خاندان میں زمانہ دراز سے علم و فضل کا چرچا چلا آ رہا ہے، فرماتے تھے کہ ان کے جدا مجد علاوہ دوسرے علوم کے درس کے قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا کرتے تھے۔ جب شہر کے علما کو یہ معلوم ہوا تو وہ سخت برہم ہوئے اور ان کے گھر پر چڑھ آئے اور زور کوہ پر اتر آئے۔ فوراً ولیم کالج میں جب بعض مولویوں کو قرآن شریف کے ترجمے کے لئے متعین کیا گیا تو اسی قسم کا ہتھامہ برپا ہوا۔

ابھی حال کا ذکر ہے کہ جب مسٹر پکٹھال نے قرآن کا ترجمہ انگریزی

زبان میں کیا اور وہ علمائے مصر سے مشورہ کرنے کے لئے مصر تشریف لے گئے تو علمائے مصر نے ترجمے کے لفظ پر سخت اعتراض وارد کیا اور اس بحث نے اس قدر طول کھینچا کہ آخر مستقر پکٹھال کو مجبور ہو کر ترجمے کے لفظ سے احتراز کرنا پڑا اور اس کا نام Meanings of the Koran یعنی

”معانی قرآن“ رکھنا پڑا۔ بات یہ ہے کہ پرانی دیت مشکل سے جاتی ہے —

خبر یہ تو ملاؤں اور مذہبی پوشواؤں کی کوتاہ اندیشی ہے، لیکن ایک مشکل اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ان صحیفوں کا ترجمہ آسان کام نہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ زبان پر کامل قدرت ہونی چاہیے۔ عقائد اور احکام کا دار مدار الفاظ کے مفہوم پر ہے۔ الفاظ کا مفہوم مور زمانہ سے بدل جاتا ہے، اس لئے مترجم کے لئے لازم ہے کہ وہ جانتا ہو کہ جس زمانے میں یہ کتاب نازل ہوئی اُس وقت ان الفاظ کے کیا معنی تھے اور قائل کا ان سے کیا مقصود ہے۔ کبھی کبھی ذو معنی اور پہلو دار لفظ بھی آجاتے ہوں۔ ایک جماعت اس کا مفہوم کچھ لیتی ہے اور دوسری جماعت کچھ اور۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ایک لفظ کے معنی یا نصوی ترکیب کی وجہ سے عقائد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور دو فرقے بن گئے۔ ترجمے میں ایسے لفظ استعمال کرنا کہ ان میں بھی دونوں پہلو قائم رہیں بہت دشوار بلکہ اکثر اوقات ناممکن ہوتا ہے۔ ان تمام احتیاطوں کے باوجود ترجمے میں اصل کی سی فصاحت اور قوت بھان اور اثر قائم رکھنا سب سے بڑا دشوار کام ہے۔ ایک طرف علما کی مخالفت دوسری طرف یہ دشواریاں مترجم کی ہمت بست کرنے کے لئے کافی ہیں۔ باوجود ان مخالفتوں اور دشواریوں کے آخر ایک مدت کے بعد ان صحیفوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو کر رہے۔ ترجمے نہ ہوتے تو ان کے مطالب

تک اُن لوگوں کی رسائی کیوں کر ہوتی جو غیر زبانوں سے نا آشنا تھے۔ اردو میں عام طور پر قرآن شریف کا پہلا ترجمہ مولانا رفیع الدین کا اور دوسرا شاہ عبدالقادر کا خیال کھا جاتا ہے۔ یہ دونوں ترجمے تھروہیں صدی کے آغاز میں ہوئے۔ لیکن اس کی بہت کم لوگوں کو خبر ہے کہ اُسی زمانے میں اور نہز اس سے قبل ہندوستان کے مختلف مقامات میں متعدد ترجمے اور تفسیریں لکھی گئی تھیں۔ اس قسم کی جتنی کتابیں ہمیں دستیاب ہوئیں یا ہماری نظر سے گزریں، ان کی مختصر کیفیت یہاں لکھی جاتی ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ہوں جن کا ہمیں عام نہیں۔ ان میں زیادہ تر تفسیریں ہوں، لیکن یہ برائے نام تفسیریں ہوں، در حقیقت قرآن کے لفظی ترجمے ہوں، کہیں کہیں ایک آدہ لفظ یا ایک آدہ سطر صراحت کے لیے بڑھا دی ہے۔ ایک مشکل یہ آپڑی ہے کہ بعض میں مولف کا نام اور سنہ تالیف ندارد ہے یا بعض اول و آخر سے ناقص ہیں اس لیے یہ معلوم کرنا غیر ممکن ہے کہ لکھنے والے کون تھے اور کب لکھی گئیں۔ البتہ زبان سے زمانہ تالیف کا تھوڑا بہت تھاس ہو سکتا ہے۔ بعض صرف ایک آدہ سورۃ یا چلد سورتوں کے اور بعض پورے قرآن کے ترجمے یا تفسیریں ہوں۔ بہر حال اس سے یہ اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ اس قسم کی کوششیں مختلف زمانوں اور ملک کے مختلف حصوں میں برابر ہوتی رہی ہے۔

اس قسم کی سب سے پرانی کتاب جو مجھے دستیاب ہوئی ہے وہ پرانی گجراتی اردو زبان میں ہے۔ افسوس کہ یہ اول و آخر سے ناقص ہے اس لیے مصنف اور سنہ تصنیف کا پتہ چلانا غیر ممکن ہے۔ البتہ زبان کے تھلک سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی کے اواخر یا ٹھارہریں

صدی کے اوائل کی تالیف ہے کہوں کہ اس کی زبان امین کی یوسف زلیخا کی زبان سے کہ وہ بھی گجراتی اردو میں ہے بہت پرانی ہے۔ امین کی یوسف زلیخا سنہ ۱۱۰۹ھ میں لکھی گئی اور یہ یقیناً اس سے پہلے کی ہے۔ یہ سورۃ یوسف کی تفسیر ہے۔ امین کی کتاب نظم میں ہے اور یہ نثر میں۔ ظاہر ہے کہ نظم کی زبان زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس میں پرانے لفظ زیادہ آتے ہیں اور نثر اس کے مقابلے میں سہل ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر سادہ زبان میں لکھی گئی ہے اور بالکل بول چال کی زبان ہے تاہم اس میں پرانے لفظ اور پرانی ترکیبیں نسبتاً بہت زیادہ ہیں یہاں میں اس کی عبارت کے ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

”قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ و الا تصرف علی کیدھن اصبا الھن“۔

اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے

”یوسف نے کہا کہ اے بار خدا ہوں (۱) بھاکسی (۲) کون دوس (۳) دھرتا ہوں اس کام تمہیں کہ جے کام ملجھ اے فرماتی ہے اے (۴) اگر توں ملجھ انہوں کی مکروں تمہیں پتہ ملے (۵) نرا کہے تو ہوں دھرتا ہوں کہ ہوں بھی انہوں کی بات اوپر خاطر کروں‘ انی سکے (۶) گتہ گاروں ملے ہوؤں۔“

”اذھبوا بقمہصی هذا فالقوۃ علی وجہ ابی ہات بصیرا و اتونی باھلکم اجمعین۔“۔

اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

”یوسف نے کہا لے جاؤ میری پیرھنی اے (۷) باپ کے ٹٹہ پر چھوڑو

تو دیکھتے ہوویں گے اے پیچھےہیں سکے (۱) آپس کے ٹگم کوں لیڈا اے (۲)
مہرے نزدیک (۳) آنو (۴) —

تفسیر کی عبارت کا نمونہ یہ ہے —

” پیچھےہیں بھاکسی کے عہدہ دار نے کہا کہ دے دائم نماز گزارتا ہے
اے روزے رکھتا ہے اے تسبی (۵) کرتا ہے اے ملولوں (۶) کوں پوچھتا
ہے اے درویشوں کو کھان (۷) دیتا ہے - اے چہ (۸) کچھو (۹) اُس
پاس آوتا ہے سو محتاجوں کوں بانٹ دیتا ہے اے ایہیں نہیں کھاتا - اے
کدھیں اُس تبیں کوئی رنجہدا نہیں ہوا - انیں پیچھےہیں جب اے صنعتاں
ملکھیں سلہاں تب کہا کہ اے باتاں نہوویں کسی ملے مگر پھٹامبروں ملے
ہوویں یا پیٹامبروں کے پلکڑوں (۱۰) ملے ہوویں - اے درجہا یہ پوچھیا کہ یوسف
کی تتبع بھاکسی ملے کون کرتا ہے ‘ اے اُس پاس کسی پاس تبیں کچھہ آوتا
ہے - پیچھےہیں انہوں نے کہا کہ عزیز کی بیر (۱۱) چھہا کرنے بھیجتی و لیکن
دے قبول نہیں کرتا - اے دے پانچ بیراں دو جہاں کوئی ہیں دے بھی بھیجتہاں
ہیں انہوں کا بھی کچھو قبول نہیں کرتا - اے انہوں کا بول بھی نہیں - ملتا —
اس تفسیر میں جگہ جگہ گجراتی لفظ آے ہیں ‘ اس پر سے یہ
فہاس کرنا بالکل بجا ہے کہ یہ گجراتی اردو میں ہے اور اس کا مولف گجرات
کا رہنے والا تھا - اس نوع کی اور بھی کتابیں پائی جانی ہیں جن کے
مولف گجرات کے باشندے ہیں - یہاں اس تفسیر کے چلد گجراتی لفظ
معلوں کے ساتھ مثال کے طور پر لکھے جاتے ہیں اے (اور) ‘ بتی (سے)
میں) ‘ ٹلہک (تھوڑا) ‘ ہبیں (اب) ہوں (میں) ‘ دوسی (بڑھیا) ‘ جلد

(۱) تمام - (۲) اور - (۳) نزدیکی (۴) لاڈ - (۵) تسبیح - (۶) غم زدہوں -

(۷) کھانا - (۸) چہ - (۹) کچھہ - (۱۰) اولاد - (۱۱) مردت -

(دایاں) 'بھر (عورت)' وغیرہ —

دکلی ترجمے کا ایک نسخہ ایسا ملا ہے جو اول و آخر سے ناقص ہے۔ اس میں قرآن شریف کے آخری پارے کی سورتوں کا ترجمہ تھیت دکلی میں کھا گیا ہے۔ زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ بہت قدیم ہے اور دسویں صدی کے اوائل کا ہے۔ اس میں ترجمے کے ساتھ کہیں کہیں مختصر تفسیر سی بھی ہے۔ نمونے کے طور پر سورۃ البیہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے —

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین ملتکین حتی تاتهم البیہ۔ رسول من اللہ یعلوا صحناً مطہراً فیہا کتب قیمہ۔ وما تفرق الذین ارتوا الکعب الا من بعد ما جاءہم البیہ۔ وما امروا الا لیعبد اللہ مخلصین لہ الدین۔ خلفاء ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ ذالک دین القیمہ۔ ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خالدین فیہا اولئک ہم شر البریہ۔ ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات اولئک ہم خیر البریہ۔ جزاؤہم عند ربہم جفلات عدن تجدی من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابداً رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ۔

(ترجمہ)

"انتمی و ولوکاں جو کفر کیسے کتاب کے لوکاں تے ہور شرک کرنہاریاں تے کنارے ہونہارے نتھے کفر تے تو لگ جو آئی اونوں کوں روشن حجۃ۔ سوہجپ (۱) ہے خدا تے پڑتا ہے صحیفہاں کوں جو پاک ہیں جہوت تے۔ اوس میں لکھی تھی نہت بات (۲)۔ ہور نہیں تفرقا ہوئے و ولوکاں جنوں کو دیے گھا تھا کتاب مگر روشن حجۃ کے آئے پچھیں تے۔ ہور اونو کوں تونوں حکم کی کھا تھا مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کوں نچھل عبادت

اوسچ کوں کرنہارے - کنر کا دین چہوڑ اسلام کے دین میں آکہ ہور یو کہ
 کہوی کریں فرض نماز کوں اس کے وخت (۱) میں ہور یو کہ دیوہیں مال
 کے فرض زکوٰۃ کوں ہور وودین نہت (۲) ے - تحقیق دو لوکاں جو کنر
 کہے کتاب کے لوکاں تے ہور شرک کرنہاریاں تے (اوس کی عبادت میں)
 جہلم کی آگ میں اچھیں گے (۳) قہامت کے دیس (۴) ہمیشہ اچھیں گے
 ارس جہلم میں دو لوکاں اونوچ (۵) بہوٹیچ (۶) ہورے (۷) لوکاں میں
 ساری پیدائش میں - ہور نہک عمل کے خالص خدا کے واسطے (۸) دو
 لوکاں اونوچ بہوٹیچ خوب لوکاں میں ساری پیدائش میں - جزا انوں کی
 اُنوئے پالندہارے کلہیں ے ' باغاں دائم کی بہتے ہیں انوں کے تدار (۹) تے
 کالوے (۱۰) ' دائم اچھیلگے اوس باغاں میں ہمیشہ اچھیاں جسے نہایت
 نہیں - خشال (۱۱) ہر اللہ تعالیٰ انوں تے ہور ارنوں خشال ہوے اوس تے -
 دو خشالی اوسچ کوں (۱۲) ے جو درتا ے اپے پالندہارے کے عذاب کوں -
 عبادت کر کر -

اس کتاب کی قدامت اس کی زبان سے ثابت ے - بہت سے الفاظ
 اور متعادوے ایسے استعمال کہے گئے ہیں جو بعد کے زمانے کی کتابوں
 میں نہیں پائے جاتے اور اسلوب بیان بھی قدیم ے - مثلاً "کالندراہ سہوٹ"
 کا ترجمہ کیا ے "پتنگ سری کی جھیلی کے" - یہ تہمت پرائی زبان ے -
 جھیل یا جھیلی ہجوم اور قطار کو کہتے ہیں - اسی طرح "فن عمل مثقال
 ذرۃ" کا ترجمہ کیا ے "پس چکوئی کہ عمل کرے گا ذرے کے بہار یعنی لال

(۱) رتھ - (۲) مستقیم - (۳) رہینگے - (۴) دن - (۵) وۃ - (۶) بہت ہی -

(۷) ہرے - (۸) واسطے - (۹) نیچے - (۱۰) نہر ' نی - (۱۱) غوغا حال -

(۱۲) اسی کو -

چستی کے بہار یا ذرہ دھارے کا - ”دھارا“ کے معنی گرد وغبار کے ہیں -
 الفاظ بھی ایسے استعمال کھے ہیں جو اس وقت بہت فریب معلوم ہوتے
 ہیں اور بعد کی دکنی کتابوں میں نہیں آتے - مثلاً ”ہلکی“ بمعنی مصہبت
 یا آفت - ”دکن“ بمعنی طرف - تار یا ”تاری“ تلے یا نیچے کے معنوں میں -
 ایک لفظ جو اس کتاب میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے وہ ”بھان“ ہے -
 مثلاً ”بھان بولھا“ یا ”بھان پوچھا“ - بہت غور کے بعد سمجھہ میں آیا
 کہ یہ ”بڑاں“ کی خرابی ہے جو اکثر پرائی دکنی کتابوں میں آیا ہے
 اور ”بڑاں“ بگاڑ ہے ”بعد ازاں“ کا -

الفاظ کا ہجا بھی عجیب ہے - یہیے جو سے اس وقت بولتے تھے مجلسہ
 ویسے ہی لکھ دیے ہیں - مثلاً خشال (خرش حال) ، بادزاں (بعد ازاں) ، شات
 (شہد) ؛ منا (ملع) ، بازے (بعضے) ، جیا (جمع) ، ہود (حوض) وغیرہ وغیرہ -
 دکنی میں سورۃ یوسف ، پارۃ عم اور سورۃ الرحمن کے متعدد ترجمے
 اور تفسیریں پائی جاتی ہیں - مجھے سورۃ رحمن کا ایک متغنی ترجمہ بھی
 ملا ہے - ترجمے کا نمونہ یہ ہے -

الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمہ الہیان -

(ترجمہ) اے لوگوں تم کرو بکھان جس کا موٹھا نام رحمان ، جن سکھایا
 ہے قرآن ، جن سرچا ہے انسان -

الشمس والقمر یحسبان والنجم والشجر یسجدان

(ترجمہ) سکھایا تمکو سبھی بیان ، چاند سورج سوں حساب پچھان ، جہاز
 پہر بھی نہیں سبکھان ، سجدا کریں ہیں اوس کوں مان -

والسماۃ رفعا و وضع المیزان الاتطغوان فی المیزان

(ترجمہ) اونچا کہتا اُن اسان ، راکھ ہیگی اُن مہزان ، اپنے دل سوں
حق پچھان ، کم زیادہ ملے کر جان —

واقموا الوزن بالتسط ولا تضروا المہزان

(ترجمہ) جو تولو سو پورا تول ، جو مول لو سو پورا مول ، قندی داب
ندیجو جہول ، دغل نہ کیجو قول ابول —

والارض وضعها لانام فيها فاكهة، والنخل ذات الاكمام والعنب

ذوالعصف والريحان

(ترجمہ) لوگوں کا جوں * زمون بچھائے ، میوہ خرما جھاڑ اگائے ، دادہ + پیدا
کریکھلے ، اوس میں اگل + دیتکان کھلے —

فبای الاء ربکما تکذبان

تم پردہ کا اتناں مان ، کس نعمت تم ہوئے اجان —

تفسیر حسینی کا ترجمہ بھی کسی صاحب نے پرانی دکنی میں کہا
ہے ۔ یہ تفسیر بہت مقبول ہے اور اس کے متعدد ترجمے دکنی زبان میں
ہوئے ہیں ۔ مروجے سامنے اس وقت پارک عم کی تفسیر کا ترجمہ موجود
ہے ، اس کی زبان پرانی ہے ۔ آخر میں کاتب نے دن ، وقت اور تاریخ
(روز جمعہ بوقت عصر دوماء جمادی الآخر) تو لکھی ہے لیکن سنہ نہیں
لکھا ۔ چند آیتوں کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے ۔ ترجمے کے ساتھ ساتھ
تفسیری جملے بھی ہیں ۔

(عم یعساء لون) کس چیز نے پوچھتے ہیں اوکاقران یہاںے مکی کاقران
یہاںے بعث تے پوچھتے ہیں آپس میں آئے یا رسول کون ہور مہمماں کون ۔
(عن اللہاء العظیم) بزرگ خبر تے (الذی ہو فیہ مختلفون) ایسی خبر کہ

اونو اس میں اختلاف کرنا ہمارے ہیں - (کلا سعلون) یوں نہیں پونچتا ہے کہ انکار کریں توت ہے کہ سمجھیں گے اونو کون ' یوقرانے کا وعدہ ہے (ثم کلا سعلون) پچھیں یوں نہیں پونچتا ہے توت ہے کہ سمجھیں گے اونو ' دوبار لیا یا اسے تاکہد کے واسطے ہو " ثم " سوں لہانا سمجھا کر دیتا ہے یو کہ دوسرا وعدا بھوت سخت ہے ہوہ بعضے بولے پیلا (۱) سو چہو کا پوتے وقت ہوہ دوسرا سو جزا کے وقت - (الم نجعل الارض مہادا) آیا نہیں کہے ہمیں زمین گذارا (۲) جوں نہلوادان (۳) کا ہے - یو ذکر کرنا ہے نہرویاں باتاں کون جو دیکھتے ہیں او خدا کے عجائب صفت تے ہواونو کون سمجھانے کے واسطے اس کی کمال قدرت پر دلائل پکڑیں اس سے بعث کے درست ہونے پر - (والجبال اوتادا) بولغا اللہ تعالیٰ آیا نہیں کہے ہمیں قونگراں (۴) کون میخضار زمین کہاں یوں نا ہوتے تو ہلکی - (وخلقناکم ازواجاً) ہوہ کیا نہیں پیدا کہے ہمیں تمنا جوری جوری مرد عورت (وجعلناکم مہم سہاتا) ہوہ کیا نہیں پیدا کہے ہمیں تمارے سونے کون توڑنا دیکھتے تے ہوہ ہلے تے تمنا راحت ہوہ آسودہ ہونے کے واسطے - (وجعلنا اللؤلؤ لہاسا) ہوہ کیا نہیں کہے ہمیں رات کون پھلنا (۵) اوہاں (۶) - پھلی ہے اپنے اندھارے سوں چونکہ کہوہا ڈھانکتا ہے اپنے آنک کون - (وجعلنا النار معاشا) ہوہ کیا نہیں کہے ہمیں دیس (۷) کون زندگانی (۸) بدل (۹) تا طلب کریں تمیں زندگانی سہانہ چونکہ کھانا پینا کپڑا - (وبہلغا فوکم - جعاً شدادا) ہوہ کیا نہیں بنا کوا کہے ہمیں تمارے اوپر سات اساناں گھٹ (۱۰) کہ نہیں پورا نہاں ہوتھاں لئی (۱۱) زمانے جانے سوں -

(۱) پیلا - (۲) گہرا - (۳) بچوں - (۴) پہاڑوں - (۵) پھلنا - (۶) وہاں -

(۷) دن - (۸) ماہی - (۹) واسطے - (۱۰) مہم - (۱۱) بہت -

تفسیر تلذیل کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر سید بابا قادری نے سنہ ۱۱۲۷ھ میں لکھی۔ کتاب کے اختتام پر مولف نے خود اس کی تصریح کر دی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے —

”خداے تعالیٰ نے جیسا کہ اس سورے (ناس) کے تئیں پانچ ناس پر تمام کہا اسی طرح اس تفسیر تلذیل کو بھی پانچ شخصوں پر تمام کہا۔ اول یہ تفسیر یعلیٰ مصنف سید بابا قادری دوم حاجی مہاں محمد علی سیوم محمد عبدالغفور خان یہ دونوں اس امر میں بہت کوشش رکھتے تھے۔ چہارم محمد مسافر جوان صالح اور لائق خدش مزاج اور خدش نویس اور پنجم محمد واجد علی کہ یہ دو شخص تصنیف کے لکھنے والے تھے کہ خداے تعالیٰ ان دو شخصوں کے لکھنے سے تفسیر تمام کروایا —

خدا نے تعالیٰ قرآن شریف کے تئیں حرف بے سے شروع کیا اور ختم قرآن کا حرف سہن پر ہوا۔ ان دو حرفوں کے تئیں مرکب کرو تو لفظ بس کا حاصل ہوتا ہے یعلیٰ ان دونوں حرفوں کے بھیج میں جو تمام قرآن ہے بس کرتا ہے تو رہے تئیں —

(فرد) اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سہن یعلیٰ اندر درہ دیں رہبر تو قرآن بس اور تصنیف بھی تفسیر کی پانچ سال میں تمام ہوئی کس واسطے کہ سن چالیس میں شروع ہوئی، اور سن سینتالیس میں تمام ہوئی، دو سال کامل نافع ہوئے۔ تمام شد تفسیر تلذیل بتاریخ بوست و پنجم شہر ذی قعدہ در سن یک ہزار یک صد و چہل و ہفت ہجری القوی —“

اس کتاب کی زبان صاف ہے اور بارہویں صدی کے وسط کی زبان کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ زبان سے بظاہر یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ مصنف کس مقام کا ہے۔ چونکہ ایک آدھ لفظ کہیں کہیں دکنی کا آگیا ہے اس لیے یہ خیال

ہوتا ہے کہ دکن کا باشندہ ہے۔ تھوڑا سا ترجمے کا نمونہ یہاں دیا جاتا ہے —
 (فَلَمَّا عَلِمُوا ابْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ) کہول دیا ہم نے ان کے اوپر دروازہ ہر
 شے کا یعنی جو ارن کوں چاہا سو ملا۔ (حَتَّىٰ اِذَا فُرِحُوا بِمَا ارْتَوٰوا)
 تب تھیں کہ وو خوش ہووے اوس چیز سہیں کہ دی گئی۔ (اِخْذُنَا هُمْ
 بَغْتَةً) پکڑے ہم نے اون کوں یکایک۔ (فَاِذَا هُمْ مَبْسُورُونَ) پس یکایک ور
 پشیمان اور نا اُمید ہووے۔ (فَقَطَّعَ دَاۤیْرَ الْقَوْمِ الَّذِیْ ظَلَمُوْا) پس کاٹا گھا
 آخر اوس جماعت کا جلوں نے ظلم کیا تھا۔ (وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ)
 اور حمد خدا کوں ہے جو پروردگار عالم کا ہے۔ (قُلْ اَرَاۤیْتُمْ اِنْ اِخْذَلْنٰہُ
 سَمْعَکُمْ وَاَبْصَارَکُمْ وَخَتَمْنَا عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مِنْ اَلَمِ غَیْرِ اللّٰہِ یَاۤتِیْکُمْ بِہٖ) کہو کہ
 دیکھتے ہو تم کہ اگر لہوویں خدا تمہارے سلیے کوں یعنی بہرہ کرے اور لہوے
 تمہاری آنکھوں کوں کہ اندھا کرے اور بہرا کرے اوپر تمہارے دلوں
 کے کہ بے شعور کرے تو کون سا خدا ہے بغیر اوس کے کہ وہ دیوے تم کوں یہ جو دیا
 ہے۔ (اَنْظُرْ کَیْفَ نَصْرَ الْاٰیٰتِ) دیکھو تم کہ کوسہاں پہنچتے ہیں ہم آیتوں کوں
 اون کے سمجھانے کے واسطے۔ (ثُمَّ هُمْ یَصْذَقُوْنَ) پیچھے نہیں مانتے ہیں اور موں
 پہنچتے ہیں (قُلْ اَرَاۤیْتُمْ اِنْ اَتَاکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً) کہو کہ کیا دیکھتے
 ہو تم گر آوے تمہارے پاس عذاب خدا کا یکایک یا ظاہر ہووے اوس کی
 علامت۔ (ہَلْ یَهْلِكُ الْقَوْمُ الظَّالِمُوْنَ) نہ ہلاک کیے جائوں گے اوس وقت ملے
 قوم ظالموں کا (وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ) اور نہیں بھیجتے ہم نے پیغمبروں کوں
 (اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ) مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے —

اس عبارت میں صرف ”ملے“ کا لفظ ایسا آیا جو دکنی ہے ورنہ باقی
 ساری عبارت ایسی ہے جس میں شمال و جنوب کی زبان کا مطلق کوئی فرق

نہیں پایا جاتا۔ پوری تفسیر اسی زبان میں ہے —

پاراۃ عم کی ایک تفسیر اور ہے۔ اس کا نام ”خدا کی نعمت“ معروف ”مرادیہ“ ہے۔ اس کے مصنف شاہ مراد اللہ سلہلی ہیں۔ اور سنہ تصنیف ۱۱۸۴ ہجری ہے۔ چنانچہ خاتمہ کتاب میں مصنف نے ان سب امور کی خود ہی تصریح کر دی ہے —

”حمد اور شکر کا سجدہ لایق ہے سزاوار ہے پاک پروردگار کے تئیں جس خاوند نے اپنے فضل و کرم سے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے عم سہارے کی تفسیر ہندی زبان میں تمام کروا دی اور اس عاصی گنہگار مراد اللہ انصاری سلہلی قادری نقشبندی حنفی کو یہ خدمت فرما کر توفیق بخش کر ... یہ خیر کا کام پورا کر دیا اور پھر اس تفسیر کا نام خدا کی نعمت مقرر کروایا۔ یہ تفسیر محرم کے مہینے کی چوبیس تاریخ جمعے کے دن اگھارے سو چوراسی برس ہجری تمام ہو کر پچاسی شروع ہوا تھا جو تمام ہوئی“ —

یہ بڑی تقطیع کے ۲۰۲ صفحات پر ہے اور شہر ربیع الاول سنہ ۱۲۶۰ ہجری میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس سے قبل چھپی تھی۔ چنانچہ ناشر کتاب نے خاتمہ طبع میں یہ عبارت لکھی ہے: —

”خاکسار سید عبداللہ ولد سید بہادر علی عفا اللہ عنہما نے صرف بہ نیت اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس محنت کی جزا دیوے اور شاہ مراد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح مجہد سے خواہ ہو جاوے اس کتاب کی تصحیح کر کے چھپوایا اور غلطیوں کو دور کیا جس کو بارور نہ ہو تو اگلے چھاپے کی کتاب سے مقابلہ کر کے دیکھے اور انصاف کرے“ —

تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ معرک الفاظ خال خال ہیں اور وہ بھی بہت معمولی۔ مثلاً بے (بجائے یہ) 'وے (بجائے وہ) ' اوپر (بجائے پر) ہووے (بجائے ہو) اندھاری (بجائے اندھیرا) ' اُن نے (بجائے اُس نے) اور یہ اور اسی قسم کے اور لفظ ہیں جو اب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں۔ جملوں کی ساخت البتہ کسی قدر پرائی ہے۔ اس سے قبل جن کتابوں کا ذکر آیا ہے وہ برائے نام تفسیریں ہیں، درحقیقت ترجمے ہیں، تفسیر کی غرض سے کہیں کہیں ایک آدھ جملہ بڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں تفسیر شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کتاب کی زبان بارہویں صدی کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے۔ اُس کی ایک عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے اُس کی زبان اور جملوں کی ساخت و فہرہ کا اندازہ ہوگا۔

(ولسوف یعطیک ربک فعرضی) اور مقرر شتاب عطا کریگا دیویگا بخشہگا تجکو یا معصود پاک پروردگار تہرا پھر راضی ہوویگا تو دے دے نعمتیں خوبیاں بخشہگا تجکو یا معصود پیدا کرنے والا تہرا آخرت میں جو تو خواہی ہو جارہا ' سب طرح کی فکریں جاتی رہیں گی تمام عالم کی شفاعت کا درجہ ' مقام معصود، تمام امت کی شفاعت کا حکم، بہشت کی بڑی بڑی نعمتیں بے حد بے نہایت، ہمیشہ کا دیدار، ایسی بڑی خوبیاں تیرے واسطے رکھی ہیں۔ خاطر کو خوش رکھے، اُن کافروں مشرکوں کے طعنے مارنے میں فیکھن ناخوش مت ہو۔ کوئی دن میں بے سبب باتیں جاتی رہیں گی۔ تم کو خوشی ہمیشہ رہے گی۔ روایت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت رسول (ع م) خوش ہوئے اور فرمایا میں ایک آدمی کی بھی مہری امت کے دوزخ میں دھلے کا راضی نہیں ہونے کا یہ بات اس کے واسطے بڑی

خوش خبری ہے۔ تہذیب سے بہتایت ہے، پہلے حال سے آخر کا حال بہتر ہے،
دنیا سے آخرت بہتر ہے۔ —

ہندوستان کے نامور محدث اور عالم شاہ ولی اللہ (رح) دہلوی اور اُن کے خاندان نے جو دیہی خدمات انجام دی ہیں وہ مستحاجِ بھان نہیں، ان کا فیض سارے ملک کو پہنچا ہے۔ شاہ ولی اللہ (رح) نے قرآن شریف کا ترجمہ فارسی زبان میں سنہ ۱۱۵۰ھ میں کیا جو بڑی خوبیوں کا ہے۔ ان کے فرزندوں میں سے مولانا شاہ رفیع الدین (متوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) اور مولانا شاہ عبدالقادر (متوفی سنہ ۱۲۴۲ھ) نے اردو زبان میں ترجمے کیے۔ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ بہت مقبول اور مشہور ہوا اور اب تک بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ تہذیبِ اردو میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ عربی الفاظ کے لئے ہندی یا اردو کے ایسے برجستہ اور برصغیر الفاظ تھوڑے کے نکالے ہیں کہ اُن سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ ترجمے کی زبان کے متعلق خود شاہ صاحب نے اپنے دیباچے میں صراحت فرمادی ہے:—

”اب کئی باتیں معلوم رکھئے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیبِ ہندی ترکیبِ عربی سے بہت بعید ہے۔ اگر بعید وہ ترکیب رہے تو معلوم مفہوم نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس زبان میں ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تاہم کو بے تکلف دریافت ہو“۔ —

شاہ صاحب نے یہاں ریختے اور ہندی متعارف میں جو فرق کیا ہے وہ قابلِ غور ہے۔ ہندی متعارف سے وہی زبان مراد ہے جسے آج کل ہندوستانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمے کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستانی زبان کسے کہتے ہیں۔ —

یہ ترجمہ سنہ ۱۲۰۵ھ (مطابق سنہ ۱۷۹۱ع) میں ہوا۔ یہ سنہ بھی خود شاہ صاحب ہی کا بتایا ہوا ہے۔ وہ دیباچہ میں فرماتے ہیں ”اس کتاب کا نام موضع القرآن ہے اور یہی اس کی صنت ہے اور یہی اس کی تاریخ ہے“۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمے کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں اس ترجمے کا ذکر کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی اس کا سنہ نہیں لکھا۔ مولوی عبدالجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمے کے ایسے الفاظ کی ایک فہرست شایع کی تھی جو آج کل استعمال میں نہیں آتے۔ اس کے دیباچہ میں وہ اس ترجمے کا سنہ ۱۲۲۲ھ قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ سنہ انہوں نے کہاں سے تحقیق کیا۔ ایسی صورت میں وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سنہ درست ہے۔ عام طور پر مصنفین نے اس خیال سے کہ یہ شاہ عبدالقادر سے عمر میں بڑے تھے ان کے ترجمے کو زمانے کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے۔ لیکن یہ بھی محض قیاس ہے اور جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ ملے اس کی صحت مشتبہ ہے۔ البتہ ایک بات ایسی ہے جس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ بعد کا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمے کے دیباچہ میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر تو کیا ہے لیکن اپنے بھائی کے ترجمے کا کہیں اشارہ نہیں کیا اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ اُس وقت تک انہوں نے کوئی ترجمہ نہیں کیا تھا۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ پہلی بار کلکتہ کے اسلام پریس میں دو جلدوں میں شایع ہوا۔ پہلی جلد سنہ ۱۲۵۴ھ میں اور دوسری جلد اس کے دو برس بعد شایع ہوئی۔ اس اڈیشن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ معن قرآن کے نیچے اردو ترجمہ مستعمل

ثانی میں ہے —

یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہیں ہونے پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اردو زبان کے معادوں میں کہیے یا نہ کہیے انہیں کرنا ضرور ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اس قدر لفظی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روز مرے اور معادوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خبری ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ اس بات کو مد نظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے —

ان دونوں ترجموں کا فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہوگا —

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ رفیع الدین - شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے۔
شاہ عبدالقادر - شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔
اگرچہ شاہ عبدالقادر نے جملے میں فعل نہیں لکھا کیونکہ اصل عربی میں بھی نہیں اور شاہ رفیع الدین نے فعل ترجمے کی خاطر داخل کیا ہے تاہم شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ سلیس اور صاف اور فصیح ہے اور اصل عربی الفاظ کے زیادہ قریب ہے —

اب پارۃ الم کی ابتدائی آیتوں کے ترجمے دونوں ترجموں سے بالمقابل

نقل کیے جاتے ہیں :-

شاہ رفیع الدین

شاہ عبدالقادر

یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے -
 راہ دکھلاتی ہے واسطے پرہیزگاروں کے
 وہ لوگ کہ ایمان لائے ساتھ فہم کے
 یعنی بن دیکھ اور قائم رکھتے ہیں
 نماز کو اور اُس چیز سے کہ دیا ہے ہم
 نے ان کو خرچ کرتے ہیں - اور وہ لوگ
 جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اُس چیز
 کے جو اتنا ہی کئی ہے طرف تہری اور جو
 اتنا ہی کئی ہے پہلے تجھ سے - اور ساتھ
 آخرت کے دے یقین رکھتے ہیں - یہ لوگ
 اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے
 اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے -
 تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے برابر ہے اوپر
 اُن کے کہا دِرا یا تو نے اُن کو یا نہ دِرا یا
 تو نے اُن کو نہ ایمان لاویں گے - مہر کی
 ہے اللہ نے اوپر دلوں اُن کے کے اور اوپر
 گانوں اُن کے کے اور اوپر آنکھوں اُن کی
 کے پردہ ہے اور واسطے اُن کے عذاب ہے ہوا -

اس کتاب میں کچھ شک نہیں -
 راہ بتاتی ہے قدوالوں کو جو یقین
 کرتے ہیں بن دیکھا اور درست کرتے ہیں
 نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے
 ہیں - اور جو یقین کرتے جو کچھ
 اترتا تجھ پر اور جو اترتا تجھ سے
 پہلے اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں -
 انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور
 وہی مراد کو پہنچے - وہ جو ملکر
 ہوئے برابر ہے ان کو تو دِرا دے یا نہ
 دِرا دے وہ نہ مانوں گے - مہر کر دی
 اللہ نے اُن کے دل پر اور اُن کے کان
 پر اور اُن کی آنکھوں پر پردہ اور
 اُن کو بوی مار ہے -

دونوں ترجموں کے مقابلے سے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی

فہمیت ظاہر ہے - اول تو اس میں ایجاز ہے یعنی بلاوجہ کوئی لفظ اپنی
 طرف سے داخل نہیں کیا - دوسرے اردو روز مرہ اور جملوں کی ساخت

کا خیال رکھا ہے - دوسرے (جسٹس) کہ انہوں نے خود فرمایا ہے (ترجمہ دیکھتے ہیں نہیں بلکہ ”ہندی متعارف“ یعنی ہندوستانی میں کیا ہے - ان وجوہ سے ترجمہ زیادہ سادہ اور صحیح ہے - مثلاً متقین کا ترجمہ بجائے پر ہونگادوں کے ”قدروالوں“ کیا ہے - یقیناً الصلوٰۃ کا ترجمہ ”درست کرتے ہیں نماز“ کیا ہے - مفلحون کا ترجمہ ”وہی مراد کو پہنچے“ کیا ہے - شاہ رفیع الدین نے اس کا ترجمہ ”چھٹکارا پانے والے“ کیا ہے اگرچہ یہ لفظ ہندی ہے لیکن شاہ عبدالقادر کا ترجمہ زیادہ صحیح اور اصل سے قریب تر ہے اور اس سے اصل مفہوم بہتر طور پر سمجھ میں آتا ہے - وہی جملوں کی ترکیب سو دونوں ترجمے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اس کا زیادہ خیال رکھا ہے - شاہ عبدالقادر کا ترجمہ دوسرے ترجمے کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے چند سال بعد دوسرے ترجمے کی ضرورت کہوں سمجھی گئی —

اسی زمانے (۱۲۰۶ھ) میں ایک تفسیر مع ترجمہ لکھی گئی جس کا نام تفسیر قرآنی موسومہ حقانی ہے - اس کا ذکر جلال احسن صاحب مارہروی نے اپنی تاریخ نثر اردو میں کیا ہے - اس کے مولف سید شاہ حقانی تہیرہ شاہ برکت اللہ مارہروی ہیں - ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر بھی ہے - یہ کتاب فہر مطبوعہ ہے —

نمونہ ترجمہ آیت آخر سورۃ بقرہ پارہ ۳

رنج میں نہ قالے گا خداے تعالیٰ کسی کو مگر موافق طاقت اس کی کے - اُس کو ہے جو عمل کیا اور اوپر اُس کے جو گناہ کیا - اے پروردگار میرے عذاب مت پکو تو سمجھ پر، جو بھول جاؤں میں یا خطا کروں

میں - اے پروردگار میرے ' اور بوجھ مت دے تو اوپر میرے بوجھ باری ' جیسے بوجھ رکھا تو نے اوپر اُس گروہ کے کہ پہلے تھے مجھ سے اے پروردگار میرے اور مت رکھ اوپر سر میرے کے بوجھ جو کہ نہ اُٹھ سکیں میں اور درگزر کر خطاؤں میری سے اور بخش تو گناہوں میرے کہ اور رحم کر تو اوپر میرے - تو ہے خاوند میرا ' پھر غالب کر تو مجھ کو اوپر قوم کافروں کے * -

شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں قرآن پاک کے کئی ترجمے ہوئے - شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے بھی اُسی زمانے کے ہیں - ایک اور ترجمہ جو بادشاہ کے ایما سے ہوا وہ دلی کے نامور طبیب حکیم مصد شریف خان مرحوم کا کیا ہوا ہے - یہ ترجمہ (قلمی) ہے اس وقت حکیم مصدا احمد خان صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی - فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اُس سے اس ترجمے کی کھفیت معلوم ہوگی - وہ عبارت یہ ہے -

”المعه الصدق والملة كه ایں تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ارفع
 اشرف اعلی بادشاهه جمجاه دین یقانه السلطان ابن السلطان
 الخاقان ابن الخاقان ابن الخاقان اسدالمعارک والمغازی جلال الدین
 محمد شاه عالم بادشاهه غازی خلد الله ملکه و سلطانه و افاض علی العالمین
 برة و احسانه ذرة خاکسار بی مقدار حکیم محمد شریف خان بن حاذق الملک
 حکیم محمد اکمل خان مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نموده بود بمساعدت
 توفیق الهی و معاضدت اقبال شاهنشاهی در نیکو ترین از منہ و بهترین

ادنے زیب و زیلت اختتام پذیر فت الحمد لله الذی بتوفیقہ تمت
هذا التفسیر یوم الجمعة فی التاسع من ذی القعدة بعد الحقیقہ معتمد بدرالدین
مفوض الله بن فیض الله —

کہا افسوس ہے کہ اختتام تفسیر کا دن اور تاریخ موجود ہے لیکن سلہ نہ ارا۔
حکیم صاحب کا انتقال چھسا کہ حکیم معتمد احمد خاں صاحب کی
زبانی معلوم ہوا سلہ ۱۲۱۶ ھ (سلہ ۱۸۰۶ ع) میں ہوا اس سے ظاہر ہے کہ یہ
ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا —

حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں لیکن در حقیقت ترجمہ ہے الہام
موقع سے کہیں کہیں ایک آدہ لفظ ترجمے کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے
چھسا کہ نمونے سے معلوم ہوگا —

اس کی زبان شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ
صاف ہے اور لفظی پابندی میں اتنی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اردو زبان کی
ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں
نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے —

(الم کی ابتدائی آیات کا ترجمہ)

میں ہوں اللہ بہت جاننے والا۔ وہ کتاب کہ اگلی کتابوں میں وعدہ
اتارنے کا تھا یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن کہ کچھ شے نہیں ہے بیچ اوس
کے اللہ کی طرف سے آنے میں۔ راہ دیکھانے والی ہے پرہیزگاروں کو شرک
سے اور گناہوں سے۔ وہ پرہیزگار کہ ایمان لاتے ہیں بغیر دیکھے کہ اللہ
موجود ہے یا ساتھ وحی کے اور تہاست کے یا قضا و قدر کے اور قائم رکھتے
ہیں نماز پانچ وقت کی کو ساتھ شرطوں اور ادب کے اور جس چیز سے
کہ روزی دی ہے ہم نے اون کو خرچ کرتے ہیں اوپر معال کے اور فقروں کے۔“

(اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پناہ پموتا ہوں میں اور العجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی شیطان وسواس دلالے والے کی سے کہ در رحمت سے ہے اور نکالا گیا بہشت سے۔ (بسم اللہ الرحمن الرحیم)۔ شروع کرتا ہوں میں قرآن کو ساتھ نام اللہ لایق بلدگی کے بہت بخشے والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیاں میں، مہربان ہے اوپر اون کے آخرت میں۔

(ترجمہ سورۃ فاتحہ)

جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے لایق ہے واسطے اللہ کے کہ پالنے والا ہے تمام عالموں کو، بخشے والا وجود کا آخرت میں، مہربان داخل کرنے بہشت کے سے۔ مالک دن قیامت کے کا، تصرف کرنے والا اوس دن جو چاہے کرے گا۔ خاص تجھی کو بلدگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں اوپر بلدگی تہری کے۔ دیکھا تو ہم کو راہ سیدھی بیچ قبول کے اور فعل کے اور اخلاق کے، راہ اون آدمیوں کی * اور نہ راہ گدواہوں کی۔

(سورۃ یونس کی چلد ابتدائی آیات کا ترجمہ)

میں ہوں اللہ کہ دیکھتا ہوں سب چیز کو۔ یہ آیتیں قرآن با حکمت کی ہیں یا متحکم ہیں متشابہ نہیں۔ آیا ہے واسطے آدمیوں کے تعجب یہ کہ وحی کی ہم نے طرف ایک مرد کے اونہیں کی جلس سے یہ کہ قرات آدمیوں کو عذاب اللہ کے سے اور خوش خبری دے تو اون لوگوں کو کہ ایمان لائے ہیں یہ کہ واسطے اون کے ہے آئے آنا یا رضا (خوشی) خدا کی۔

شاہ عالم بادشاہ ہی کے عہد میں ایک اور ترجمہ فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں ہوا۔ بعض وجوہ سے یہ ترجمہ چھپ کر شایع نہیں ہونے پایا۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے —

”ترجمہ قرآن شریف بزبان ہندی

اس کے شروع کی تاریخ موافق سن ہجری کے تمام اس مصرع سے نکلتی ہے۔

صراط المستقیم الحق ھ بالکل (۱۲۱۸)

ترجمہ قرآن شریف کا ہند کے اہل اسلام کی خاطر سلطنت میں ظل سبحانی شاہ عالم بادشاہ غازی خداداد اللہ ملکہ اور حکومت میں زبدۂ نو آئینان معظم الشان مشہر خاص شاہ کھواں بارگاہ انگلستان مارکوئس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام ظلہ کے ’حسب الحکم صاحب والا قدر عالیشان مدرس تدریسی‘..... جان گلکرسٹ صاحب دام حشمتہ کے کہا اور ابتداء سے انتہا تک جو جو احوال گذرا ہے خاتمہ میں لکھا، اس کے مطالعہ کرنے سے تمام حقیقت معلوم ہوگی۔“ —

جہاں تک اردو زبان کی ساخت اور ترکیب کا تعلق ہے یہ ترجمہ پہلے کے تمام ترجموں کے مقابلے میں زیادہ بامعاورہ اور سلیس ہے۔ اگرچہ الفاظ کی رعایت مد نظر رکھی ہے کہونکہ ایسے صحیفوں کے ترجمہ میں اس کے بغیر چارہ نہیں، تاہم حتی الامکان اردو کے روزمرہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور جملے کی ترکیب عربی کے نہج پر نہیں بلکہ اردو کے ڈھلگ پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترجمہ بغیر کسی دقت کے صاف صاف سمجھ میں آتا ہے۔ —

کاظم علی جوان جو فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھے اور جن کی تصوف سے کئی کتابیں ہیں، اس ترجمے کی زبان کی اصلاح و درستگی پر مامور

تھے۔ انہوں نے آخر میں ایک خانہ لکھا ہے جس سے اس ترجمے کے آغاز و انجام اور اہتمام کی پوری کفایت معلوم ہوگی۔ خانہ کی عبارت بحدسہ یہاں نقل کی جاتی ہے۔

”الحمد لله والثناء له ماہ مبارک رمضان کی نویں تاریخ سنہ ۱۲۱۹ بارہ سے اُنیس ہجری میں پنجشنبہ کے روز ظہر کے اول وقت قرآن شریف کا ترجمہ زبان ریختہ میں تمام ہوا۔ شروع اس کی حسب الصک صاحب عالیہان جان گلکرسٹ صاحب دام اقبالہ کے ذالحدہ میں کہ سن بارہ سے سترہ تھ ہوئی تھی۔ مولوی امانت اللہ صاحب اور مہر بہادر علی صاحب مہر منشی اور احقر ترجمے اور معاورے کے لئے مقرر تھے اور چلندے مولوی فضل اللہ کو بھی ارشاد حضور ہوا تم بھی شریک ہو کہ بدون دو مولویوں کے یہ امر عظیم ترجمے کا بغوی سرانجام نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ نام ان کا شروع میں مندرج ہے۔ پانچ سپارے جب ترجمہ ہوئے، ایسی کچھ نواع لفظی ان دونوں صاحبوں کے درمیان آئی کہ ان میں سے مولوی فضل اللہ صاحب رہے اور دوسرے صاحب کے عوض حافظ فوٹ علی صاحب مقرر ہوئے۔ بے دونوں بدستور ترجمہ کرتے تھے۔ جب صاحب مددوح ذیقعدہ کی دسویں تاریخ سن بارہ سے اُنیس (۲۲ فروری سنہ ۱۸۰۴ ع) میں ولایت کو تشریف لے گئے اور اصلاً مدرسی کھتان مویت صاحب دام حشمہ کو حضور پر نور سے مقرر ہوئی، اسی طور سے موافق اُن کے ارشاد کے کام ترجمے کا جاری رہا۔ چنانچہ اس عرصے میں اکھس سپارے ہوئے تھے کہ صاحب عالیہان نے بندے کو فرمایا مولویوں میں سے ایک مولوی ترجمہ کرے اور تو ہی معاورے کی درستی میں رہے، قبول کر کے مولوی فضل اللہ صاحب ترجمہ کرتے رہے اور بندہ معاورہ کرتا رہا۔ اور اب حق سبحانہ و تعالیٰ کے توفقات سے وہ کام

سرا انجام کو پہنچایا مگر نظر ثانی باقی ہے، جس طرح سے ارشاد ہوا کرتے مہیں آدے گی۔ لیکن دے لوگ جو ہمیشہ تصلیف و تالیف اور ترجمہ کوئے مہیں، اُن کی خدمت مہیں التماس یہ ہے کہ مہربانی سے نگاہ کریں۔ قرآن شریف کے کلام الہی ہے اور فصاحت و بلاغت ایسی کہ چشم و گوش فلک نے بھی نہ دیکھی نہ سنی اور جس عصر مہیں کہ اس کا نزول ہوا ہے کہسے کہسے اہل فصاحت و بلاغت عربستان مہیں تھے، اس کی عبارت جو سراسر صلتوں سے بھری ہوئی ہے اور تمام مسجع اور مقفا ہے، نگاہ کر کے جہراں تھے۔ بشر کا کہا مقدور ہے کہ اس کے ایک حرف کی خرابی بیان کرے اور ایک زبان تو کہا ہے اگر تمام روئیں بدن کے زبان گویا ہوں دونوں جہاں کی جتنی خلقت ہے تو بھی ذرے کے برابر مدح و ثناء نہ کرسکے۔

الصحی کہ کہاں کلام خالق کا اور کہاں زبان مخلوق کی۔ پس جو جو صنائع و بدائع اس مہیں مہیں من و عن اس کا ترجمہ کس سے ہوسکتا ہے مگر فارسی ترجمے اور تفسیروں سے جس لفظ کے جو معنی مترجموں اور مفسروں نے لکھے مہیں، زبان ریختہ مہیں اُن کے موافق لکھتے مہیں آیا ہے۔ تفسیر بھٹاوی اور مدارک و جلالین تین عربی تفسیریں، بتدریج مواج اور تفسیر حسینی کہ بے دو فارسی مہیں اُن سے ترجمہ کیا ہے۔ جہاں کہیں جو کچھ اختلاف سمجھے اُن پانچوں تفسیروں مہیں دیکھتے لے، ایک نہ ایک مہیں موافقت پائی جائے گی۔ اور کہیں کہیں جو الفاظ ماضی و حال و استقبال کے مہیں اور مفسروں نے ماضی کو حال اور حال کو استقبال کہا ہے، یہاں بھی اسی طریق کی پیروی ہوئی ہے۔ مگر جہاں کہیں زمانے کی مطابقت سے ہندی عبارت کے مطالب مہیں اختلاف نظر آیا، چاروں ناچار بطور متعادل کے دھلے دیا اور اگرچہ لفظ کے ترجمے کی رعایت سراسر رکھی ہے پر کہیں کہیں

اصل مطلب لیا ہے کہیوں کہ لفظ کی متابعت سے معنوں کا فوت ہونا قباحۃً عظیمہ ہے، 'اس بات کو ترجمہ دی۔ بہر نوع مطلب نہیں چھوٹا، اس لئے معاوڑے کو چنداں دخل نہیں دیا کہ کتابی عبارت کا داب روز مرے کی بول چال سے اور ہے۔

جزو مقطعات کا ترجمہ جو بالاتفاق نہ پایا نہ کیا۔ اور مفعول مطلق ہندی میں شاذ و نادر ہے کہیں جو رہ سکا تو رکھا، الا نہ یا چھوڑ دیا یا لفظ تاکید زیادہ کیا کہ اس سے تاکید غرض ہے۔ اور عربی میں التفات بہت سا ہے اور ہندی میں کم، لیکن وہ قاعدہ رہے دیا کہ بہت بتکرار ہے۔ واو عاطفہ اور حرف ف اور وہ الفاظ کہ معنی میں تحقیق کے آتے ہیں قرآن شریف میں بہت ہیں اور زبان عربی میں بہت فصاحت رکھتے ہیں۔ ہندی میں گوکہ ان کی کثرت معاوڑے کی رو سے اس قدر نہیں لیکن ترک کرنا ان کا جائز نہ دیکھا، اس سبب سے جس جیلے میں جس قدر آئے ترجمہ کیا۔ اور تمام کلام اللہ قلیل العبارت و کثیر المعنی ہے جتنے اہل اسلام کے فرقے ہیں سب کے دین و ایمان کی بنا اسی سے ہے، اجتہاد کر کے ہر ایک اپنا اصل اصول یہیں سے راست کرتا ہے۔ اور شان نزول ہر ایک آیت کی ہے، اگر لکھنے میں آتی تو عبارت بہت طویل ہو جاتی، اگرچہ بعض جگہ چاہا تھا کہ کچھ بیان کیجے۔ پہلے جس صاحب مدوح کی فرمائش تھی انہوں نے ارشاد کیا کہ یہ ترجمہ کلام اللہ کا اگرچہ ہندی زبان میں ہے ہند کے لوگ بخوبی سمجھیں گے تاہم جب تک معلومات بوجہ احسن نہ ہوگی، کیوں کہ مطلب کو پہنچیں گے۔ ہر ایک فہمی کو کب یہ استعداد ہے کہ کتاب کی عبارت کا بیان گوکہ اس کی زبان میں ہو کر سکے۔ یہ اہل فہم و ذکا کے لئے ہے کہ اگر آپ کماحقہ نہ سمجھ سکے کسی صاحب استعداد سے دریافت کرے۔ ہفتون ہے

کہ سہج کتابیں کہ اس عصر میں عربی و فارسی سے ہندی ہوئی ہیں اور اُن کے مطلب جس طرح چاہیے ہر ایک بیان نہیں کر سکتا، یہ تو کلام اللہ کا ترجمہ ہے اس کو ہر ایک اس طرح کہونکر سمجھے کہ مستحاج کسی اُستاد کے پوچھنے کا نہ ہوگا۔ جہاں کہیں کہ عالم و فاضل جس عبارت کو بخوبی سمجھتے ہیں اور جنہوں کو کم استعداد ہے۔ اس کی دریافت میں عاجز ہیں، اُن کی آسانی کے لیے بطور حاشیہ ایک خط فرضی کر کے مطلب کو بڑھا دیا ہے تا اُس نشان سے معلوم ہو کہ یہ ترجمہ سے جو زیادہ ہے ہندی زبان کے ربط کے لیے بڑھا دیا ہے۔ پھر یہ اپنی طرف سے تصرف نہیں کیا، تفسیروں کے دو سے ہے۔ اور شروع ترجمہ میں خلقت نے اس بات میں بہت سی شورش کی تھی کہ بلا اس ترجمہ کی ہوتی ہے نہایت دین و آئین سے برخلاف ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ ہندی زبان میں ہوتا ہے۔ آخر جس جو اہل فہم اور فراست تھے انہوں نے جواب دیا کہ اگر فارسی میں ترجمہ ہوا ہے تو ہندی میں کیا کفر ہے۔ غرض کہ فضل الہی سے وہ آغاز انجام کو پہنچا۔ حق تعالیٰ انہیں اس کا بڑا اجر دے جنہوں نے اس کی ابتدا کی اور جنہوں نے انتہا کو پہنچایا۔ اہل اسلام پر ان کا ہوا احسان ہے کہ جب تک کوئی صرف و نحو اور منطق و معقولات اور بہت سے علوم حاصل نہ کرتا ہرگز کلام اللہ کی عبارت کے معنی دریافت نہ کر سکتا۔ مگر ترجمہ جو فارسی اور فارسی تفسیریں ہیں ان سے معنی سمجھتا تو بھی وقت پر یاد نہ رہے، یہ اُن کا تفلات ہے کہ براے خود ایک ایسی کتاب ترتیب دی کہ جس سورت میں جس آیت کا ترجمہ چاہے پڑھ لے۔ اور پہلے اس کی صلاح و مشورہ بہت سی ہوئی کہ ہر ایک صلیحہ پر کلام اللہ لکھا جائے اور اس کے مقابل دوسرے صلیحے پر

ترجمہ مثبت ہو - لیکن مصمت اعراب کے لئے یہ امر موقوف رکھا کہ ہر گاہ 'مکاتبات' میں باوجود ہزاروں مقابلوں کے غلطی اعراب کی رہتی ہے ' اس کا تو منظور چھاپا ہے کیونکہ غلطی نہ رہے گی اور جب کہ غلطی رہی یک زیر و زبر و پھس میں یا ساکن کرنے میں معنی لفظ کے اور ہو جائیں گے ' ترجمے کی مطابقت میں خلل عظیم واقع ہوگا - ہاں جس کو یہ غرض ہوگی کہ قرآن کے جملے اور آیات و مطلق ترجمے سے مقابلہ کرے قرآن شریف بکثرت میں مقابلہ کرے گا، چلداں دولت نہیں -

اللہ تعالیٰ اس سرکار دولت مدار کو قائم رکھے کہ ان کی بدولت دین و دنیا کے امور بخوبی سرانجام پاتے ہیں ' قیامت تلک نام نہک ان کا صلحہ روزگار پر رہے گا -

کاظم علی جوان نے یہ خاتمہ موافق ارشاد صاحب مدوح کے لکھا ہے اور جو کچھ آغاز سے انجام تلک حقیقت گزری ہے وہ سب اس میں مندرج کی ہے -

یہ التماس ہے خدمت میں سب کے شام و سحر

امہد وار دعا ہے یہ بندۂ مضطر "

ذیل میں بطور نمونے کے دو ایک سورتوں کا ترجمہ لکھا جاتا ہے :-

سورۃ فاتحہ کا ترجمہ

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا نعمت دینے والا ہے - ہر ایک

حمد خدا کے لئے ہے کہ وہ مالک سب کا بخشنے والا، روزی دینے والا،

مخاوند روز قیامت کا ہے - ہم تیری ہی بلدگی کرتے ہیں اور تجھی سے

مدد چاہتے ہیں - دکھا ہم کو سیدھی راہ ' ان کی راہ کہ جن کو تو نے

نعمت دی نہ ان کی جن پر غضب کھا گیا ہے اور نہ گمراہوں کی -

الم کی جلد ابتدائی آیتوں کا ترجمہ

یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں - راہ دکھانے والی
 اُن پر ہونگادوں کی ہے جو بن دیکھ ایمان لاتے ہیں اور نماز کیا کرتے ہیں
 اور جو کچھ کہ ہم نے روزی اُن کو دی اُس میں سے خیرات کرتے ہیں
 اور جو کہ ایمان لائے ہیں اس چیز پر جو تجھے بھیجی گئی اور اُس پر
 جو تجھے سے آئے نازل کی گئی اور قیامت پر دے ہی یتھن لاتے ہیں -
 دے اپنے پروردگار کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں اور دے ہی مطلب کو
 پہنچیں گے - تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے انہیں برابر ہے خواہ تو اُن
 کو قراوے یا نہ قراوے ایمان نہ لائیں گے - خدا نے اُن کے دلوں اور
 اُن کے کانوں پر مہر کی ہے اور پردے اُن کی آنکھوں پر ہیں - انہیں
 کے لیے ہوا عذاب ہے ” -

عہد شاہ عالم ہی کی یادگار ” تفسیر چراغ ابدی ” بھی ہے - اس کے
 مصنف عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آباد دکن کے باشندے ہیں - سنہ تالیف
 ۱۲۲۱ھ - یہ صرف آخری پارے کی تفسیر ہے - مولف نے دیباچے میں تفسیر
 کی ضرورت ، زبان کی نوعیت ، سنہ تالیف کی کھفیت وغیرہ کا ذکر
 وضاحت سے کر دیا ہے - یہاں اس کی نقل کر دی جاتی ہے تاکہ ان تمام
 امور پر آگاہی ہو جائے -

” اما بعد عرض کرتا ہے دوستداروں سے ، آشناہیوں سے ہمساروں سے ،
 زاویہ نشین کوچہ گستانی و بے استعدادی ، طالب منصب و ارستگی و
 آزادی فقیر عزیز اللہ ابن مہر عالم العسلی القادری اللقشبندی اورنگ
 آبادی المتخلص بہمرنگ عفا اللہ عنہ وعن والدیہ و احسن الہیما والہہ کہ
 جب دیکھا میں اکثر تفسیریں کلام اللہ کی زبان عربی اور فارسی میں واقع

ہیں اور کم علمی بعض اہل ہند کی دریافت سے معلیٰ ان کے مانع - اگرچہ بعض عزیزوں نے زبان دکھلی ہندی آمہڑ میں تفسیر جز آخر کی لکھی ہے لیکن یہ سبب الفاظ دکھلی لطف زبان ہندی کا پورا نہیں پاتا اور دل ہاروں کا واسطے مطالعہ اوس کے رغبت کم لاتا - اس واسطے خاطر قاصر میں اس فقیر کی آیا کہ تفسیر جز آخر کی زبان ہندی میں کہ بالفعل اورنگ آباد کے لوگوں کا متعارف ہے لکھ اور بعض فوائد کے دوسری تفسیروں میں نہیں ہیں کتب معتبرہ سے جمع کر کے اس میں داخل کرے کہ عوام اس سے باوجود قلت بفاضلت کے فائدہ تمام اٹھائیں اور اس حقیر کی دعاے مغفرت سے یاد دلاویں -

تا ایہ ہو وسئلہ عقیقہ اور سب کو مفہود روز جزا

بعد تقدیم استحضار کے اور استعانت حضرت باری کے ہر سورۃ کی تفہیمت اور نفع اور تفسیر اور خاصیت اور خاتم اور تعبیر کو بعضی سورۃ کی تفہیمت اور خاصیت کہ مخصوص نماز کے اندر پڑھنے میں یا مخصوص آیت یا آیتوں میں تھی، تمام قلم لاکر اول تعوذ اور تسمیہ اور سورۃ فاتحہ سے کہ سبب یمن اور برکت کا ہے، مناسب بوج کر شروع کیا اور واسطے نشانی کے اول حرف ایک سرخی سے علاحدہ لکھا اور اشارۃ ان حرفوں کا اس قطعے میں کہا -

قطعہ :-

ف تفہیمت کی نشانی میں ہے مدنعت اور صلوة و ختم کی ہیگی علامت صادمہم خاصیت تعبیر کا ہیگا اشارۃ و ت ہامہد ہمرنگ کو حق سے سدا لطف صہم اور نام اس تفسیر کا " چراغ ابدی " (سنہ ۱۲۲۱) کہ سال تادیع کا اُس کے اسی کلیے سے نکلتا ہے، رکھا - توقع علساے روزگار اور بلغائے ہر

دیاد سے اور تمنا فضائے اعصار اور فصاحتے امصار سے وہ ہے کہ اگر اس میں سہو یا خطا کہ متعلق بشریت کا ہے، پادیں تو قلم الطاف رقم سے اصلاح دیویں اور راہ اعتراض اور اغماض کی نہ لہویں۔

قطعہ :-

کاملوں سے توقع ہے ہمرنگ کہ توجہ سے ان کے ہوئے فلاح

پادیں گر بھیج اُس کے سہو و خطا لطف اپنے سستی کریں اصلاح

ایک قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے جس سے تدسہر کا سلسلہ تالیف معلوم ہوتا

ہے - قطعہ :-

مہکت اور کوشش بے سہار سستی اے ہمرنگ جب یہ تفسیر تمام ہوئی بعون صدی

نام میں چاہا رکھوں ایسا کہ نکلے تاریخ فکر کر دل نے اٹھا بول ”چراغ ابدی“

اس میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ مولف نے اورنگ آباد کی

زبان کی ملحدہ حیثیت قرار دی ہے جس کا دکھلی زبان سے تعلق نہیں ہے۔

اور ہے بھی یہی کہ ابتدا سے اور خصوصاً شاہجہاں اور اورنگ زیب کی

صوبہ داری میں اس کا تعلق زیادہ تر شمالی ہند کی زبان سے رہا اور

وہاں کے اہل زبان اور شعرا نے جو زبان لکھی ہے وہ حیدر آباد، بھجاپور

اور علاقہ مدراس کی زبان سے بالکل الگ ہے۔ وہ زیادہ تر شمالی ہند

کی زبان کی تقلید کرتے تھے۔

نمونہ تدسہر

(ہم یتسار لون) کس چیز سے پوچھتے ہیں کافراں (من اللباء العظم)

پوچھتے خبر بڑی سے یعلیٰ قرآن اور نبوت اور قہامت سے (الذی ہم) ایسی

وہ خبر کہ یہ کافراں (نہے) بھیج اوسر خبر کے (مختلفون) اختلاف کرنے

والے ہیں۔ یعلیٰ قرآن کو جادو اور شعر اور کہانت سے نسبت دیتے ہیں

اور نو پیدا اور کہانی بولتے ہیں اور پیغمبر علیہ الصلوٰات اللہ الاکبر کو کہتے ہیں کہ دو پیغمبر ہے یا نہیں، یا ساحر ہے یا شاعر یا مجنون، اور دن قہامت کا بعضے کہتے تھے کہ ہوگا اور بتاں ہماری شاعت کریں گے اور بعضے کہتے تھے کہ دن قہامت کا ہرگز نہ ہوگا اور سوائے زندگی دنیا کی پھر اور زندگی نہیں ہے۔ اور بعضے شک میں تھے کہ ہوگی یا نہیں، حق سبحانہ تعالیٰ شانہ فرمایا (کلا سیعلمون) حقا کہ شتابی ہے کہ جانیں گے کافروں دن قہامت کا نزدیک جان کلدن کے اور مرنے کے، دو دن حق ہے واسطے ظاہر ہونے نشانیاں اوس دن کی بھیج اوس وقت کے۔ (ثم کلا سیعلمون) پیچھے تحقیق شتابی ہے کہ جانیں گے دن قہامت کے جھوٹی باتیں اور اعتقاد پلید اپے۔ (الم نجعل الارض) آیا نہیں ہم نے کہا زمیں کے تئیں (مہادا) فرش ایک بچھا ہوا کہ مکان رہنے کا تمہارے ہوے۔

بوجا چاہیے کہ اندر کرۃ آب کے زمیں مانند گیلد کے پڑی ہے ایسے کہ آدھی سے زیادہ پانی میں غرق ہے اور آدھی سے کم باہر ہے اور جو کہ باہر ہے دو در قسم پر ہے۔ ایک قسم تو مختص ویران ہے کہ نشانی معموری کی بھیج اوس کے اصلا نہیں دوسری قسم معمور ہے کہ اُسے ربع مسکون کہتے ہیں اور اس میں دریائیں، پہاڑیں اور میدانیں اور جنگلیں اور شہریں واقع ہیں اور مساحت اوس کی ایک سو بیس برس کی راہ ہے۔ اوس میں سے نو برس کی راہ تو یاجوج اور ماجوج جو فرزندوں سے یافث بن نوح علیہ السلام کے ہیں اور بارہ برس کی راہ حبشہ ہستہ ہیں اور آٹھ برس کی روم اور تین برس کی راہ عرب دھتے ہیں اور سات برس کی راہ تمام لوگ دوسرے ساکن ہیں۔ امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح میں اس طرح کی تفصیل بعضی

کتابوں سے نقل فرمائی ہے اور یہی شرح مذکور میں لائے ہیں کہ زمین میں مخلوقات بہت ہے، اٹلی کہ بہ نسبت فرشتوں کے اور شہا طین کے لہذا جن اور بلی آدم کے ہزار میں کا ایک حصہ ہے۔

فائدہ - تفسیر بقائے میں لائے ہیں کہ زمین پانی پر ہے اور پانی مچھی پر اور مچھی تختے پر اور تختہ فرشتے کے سر پر اور فرشتہ بھل کے سر پر اور بھل مچھر پر اور مچھر کف پر دریا کے اور دریا تھری پر اور تھری دوزخ کے سر پر اور دوزخ اندھارے پر اور اندھارے کے نیچے سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی جاننا نہیں ہے کہ کیا ہے۔ والدہ اعلم و احکم (الجبال) اور نہیں کیا ہم نے پہاڑوں کے تھیں (اوتاداً) میٹھیں زمین کی تا بسبب اون کے زمیں مضبوط رہے۔ (وخلقکم) اور پیدا کیا ہم نے تم کو (ازواجاً) ہر طرح کے جوڑے نو اور مادہ تاکہ نسل تمہاری باقی رہے یا پیدا کیا ہم نے تمہیں طرح طرح کی گالی اور گوری دراز اور کوتی، خوب اور ناخوب۔ (وجعلنا) اور کیا ہم نے (نومکم) نھند کو تمہاری (سباتا) راحت بدن کی تمہاری کہ نھند حس اور حرکت کو موقوف کرے تا قوت حیوانی آرام پکڑے اور ماندگی تمہاری زائل ہوے۔

اسی عہد کی ایک اور تفسیر ہے۔ یہ بھی پارہ عم کی ہے، لیکن مملووم ہے۔ اس کے مصنف مولانا شاہ غلام مرتضیٰ تخلص جیلوں میں۔ مصنف کے نام کی نسبت سے کتاب کا نام بھی ”تفسیر مرتضوی“ ہے۔ میرے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ ہے اور ایک مطبوعہ نسخہ جو سلہ ۱۲۵۹ ہجری میں نسخہ ٹائپ میں چھپا۔ مطبع کا نام مطبع طبعی ہے جو مولوی عبدالماجد بن حکیم مولوی عبدالمجدد کا تھا۔ لیکن عجب بات یہ ہے کہ مقام کا نام نہیں لکھا اور اس لیے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ مطبع کہاں تھا۔ تصحیح اس کی

”حافظ محمد صدیقی صاحب اور مولوی محمد وجہ صاحب مدرس مدرسہ کئیلی بہادر“ نے کی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کلکتے میں ہوگا۔ قلمی نسخے میں منظوم دیباچہ بھی ہے جو مطبوعہ نسخے میں نہیں۔ اس دیباچے سے مصنف کا انا پتا اور سنہ تصانیف معلوم ہوتا ہے۔ اپنا نام کئی جگہ لکھا ہے:—

سن غلام مرتضیٰ میرا ہے نام

تک سجدہ لہجو کہ میں کس کا غلام

مصطفیٰ کے تذکرہ ریاض الفصحا میں ان کا ذکر ہے لیکن سوائے نام اور تخلص کے اور کچھ نہیں لکھا۔ اپنے مرشد کی تعریف میں بھی کچھ شعر لکھے ہیں —

حضرت سید محمد تو ہے پیر

دونو عالم میں مرا ہے دستگیر

اپنے والد کا بھی ذکر کیا ہے اور چند شعر ان کے خدمت میں عرض کیے ہیں —

بہکماں اے شاہ تہمور ولی علم ہے عالم میں تو را منجلی
چاہیے ہو باپ کا بیٹا شبیہ کیونکہ ہے الولد سر لا بویہ
استاد کی بھی مدح کی ہے جن کا نام مولوی محمد برکت الدہ تھا —

ہے مرا استاد فخر عالماں

مولوی برکت محیط بہکراں

اس کے بعد بادشاہ وقت شاہ عالم بادشاہ کے لیے بارگاہ الہی میں دعا کی ہے —

واردت تہمور و زیب تاج و تخت شاہ عالم بادشاہ نہک بخت

کشور ہندوستان کا شاہ ہے حامی دین رسول اللہ
 بادشاہ کے بعد وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کی مدد ہے۔
 آصف الدولہ وزیر مملکت حامی دین ہے و شیر سلطنت
 آصف وقت و سلیمان زمان ہے سکندر بخت و داراے جہاں
 سبب تصنیف کتاب میں سنہ تالیف بھی بتا دیا ہے :-
 سن تھا ہجری ان دنوں میں جان لے
 یک ہزار و ایک سو چورانوے
 تفسیر کا انداز ذیل کے نمونے سے ہوگا :-

عم یسعء لون

اصل میں تھا عم علما اے پسر نون کہتے ہیں کہ مہم یہو ادغام کو
 کر الف کو حذف سن معنی بجاں پوچھے ہوں کس چیز سے یہ کافراں
 عن النباء العظیم الذی فیہ مختلفون

اس خبر سے کہ بڑی ہے بے خلاف کرتے ہیں سب جس میں باہم اختلاف
 یا کتاب اللہ ہے نہا عظیم قول شاعر جس کو کہتے ہیں لٹم
 یا کہیں ہوں سحر یا ہے مفترا نزد بعضے ہے کلام کہریا
 یا مقصد ہے کہ جمع مومنوں اس کہتے ہیں ختم المرسلین
 یا کہ ہے اس نہا سے محشر مراد اس سے نہ آگاہ جز رب العباد
 ہولاء شفعاؤنا عند اللہ

حشر کو کہتے ہیں حق ہے مشرکان ہم کو بخشاویں گے پوری حق بقاں
 ان ہی الاحیاء الدنیا

مکمران حشر کہتے ہیں ہلوز نہ مگر یہ زندگی ہے چلد روز
 بل ہم فی شک منہا

اور کتے مہیں شک مہیں زان نبا عظیم کھونکے ہوں گے زندہ یہ عظام دمہم
تاکم رد ہو جائے قول نا صواب یہ دیا کنار کو حق نے جواب

الم نجعل الارض مہادا

آیا یہ ہم نے کہا ہے خاک سے فرش گستردہ تمہارے واسطے
اے بچہای ہم نے پانی پر زمیں مردہ اور زندوں کے رھنے کھینٹیں

والجبال اوتادا

اور کہا کوہوں کو میٹھیں استوار تانہ کانپے اور زمیں پکڑے قرار

و خلقنا کم ازواج

اور تمہیں پیدا کیا ہے ہم نے جفت اے نر و مادہ کو بے گشت و شلفت
یعلے زن اور مرد کو پیدا کیا ایک کا دل ایک پر شہدا کیا
تاکہ ان دونوں سے پیدا ہو پسر جیسے آب و خاک سے کشت و ثمر
با مراد ازواج سے ہے قسم قسم مختلف در صورت واللوان و جسم
زبان صاف سیدھی ہے۔ لیکن ایسی چیزوں کا ترجمہ اور وہ بھی نظم

مہیں سراسر بے لطف ہو جاتا ہے۔

ایک صاحب سید بابا انقادی متوطن حیدرآباد نے بھی ایک تفسیر
لکھی ہے جس کا نام ”فوائد البدیہیہ“ ہے۔ اصل مہیں یہ قرآن شریف کا
ترجمہ ہے تفسیر براے نام ہے، کہیں ایک آدہ جملہ یا لفظ بطور تفسیر کے
آجاتا ہے خود مولف نے بھی اسے ترجمے ہی سے موسوم کیا ہے جیسا کہ
آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔ یہ بھی شاہ عبدالقادر کی طرح اپنی زبان کو
ہندی سے تعبیر کرتے ہیں۔ سنہ تصنیف ۱۲۲۰ ہجری ہے۔ اس کا ایک نسخہ
کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی مہیں موجود ہے۔ آخری حصہ نہیں ہے۔ اس
کے خطبے (دیباچے) مہیں اس کے مولف، سبب تالیف اور سنہ تالیف کی

صراحت موجود ہے - خطبے کا وہ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے -

اما بعد فيقول البشير العظيم بل بضاعته سيد بابا القادري الحيدري آبادي
بن سیدی و مرشدی و علامۃ العصر الجامع بین العلوم الظاهر والباطن و
صاحب التصانيف فی المعقول والمنقول والتصوف سيد شاه محمد يوسف
القادري بن سيد شاه محمد اسكلم الله العجوبه جلالة انی قد اخذت الخرقه
من اخي المعني حضرت شاه عبداللہ القادري المتعارف به قطبي صاحب
نفعا لله به و عمره الي كبر الاكبر روزے چند بتدریس و وعظ اشتغال داشت
كه بعضی از دوستان صمیمی سید لعل شاه و سید قلندر بخش متوطن سرهند
از اولاد حضرت بزرگی اسمعیل قدس سره خصوصاً مرزا محمد بیگ بن
مرزا حاجی بیگ خاں و میان محمد علی باعث كه شدن (۹) علمای پیشین
علی قداهم تفاسیر عربی و فارسی تالیف فرموده اند - الاكه نعم مایاں
مغلوب القصور از ادراك آن قاصر ، باید كه تفسیر بعنوان ترجمۃ كلام معید
بزبان ہندی در تحریر آید كه فائده و غیره از قصص مرتب الاحوال گردد -
لهذا نظر وفور اشتیاق ایشان نموده خواست كه آنچه در فہم ناقص آید
بزبان ہندی ترجمۃ كلام ربانی و بعضی كلام شان نزول مفید بہ قلم آرد -
لهذا مستعدی از ناظران عالی فطرت آنست ہر چاكہ خطا و سهو واقع
شود قلم اصلاح براں جاری دارند و از طعن معاف فرمایند - پس شروع
کردم این کتاب فی شہر ذیقعدہ سنہ ۱۱۳۰ * اربعین و ماتین بعد الف
الہجرۃ المبارکہ - در عهد نواب مستطاب سکندر نژاد فریدون عصر نواب
سکندر جاہ بہادر ادام اللہ ملکہ و متع المسلمین بطول بقائہ ... و نام
نہادم تفسیر را " فوائد الہدیہ " -

ترجمے کا نمونہ یہ ہے —

(فَالِكِ الْكِتَابِ) یہ کتاب یعنی قرآن شریف - (لَارِيبَ فِيهِ) نہیں شک ہے بیچ اس کتاب کے، اس کتاب کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مالک ابن صفی یہودی تھا - مسلمانوں کے دل میں شک ڈالنا تھا کہ یہ کلام اللہ وہ کتاب نہیں ہے کہ جس کے نازل کرنے کا وعدہ خداے تعالیٰ نے توریت میں کیا تھا - (هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ) ہدایت کرنے والا ہے - یہ کلام اللہ واسطے پڑھنے والوں کے ایسے پڑھنے والے (یَوْمَلُونَ بِالْغَيْبِ) ایمان لاتے ہیں وہ لوگ ساتھ غیب کے یعنی جو چیز کہ نہیں دیکھی - جیسا کہ جنت اور دوزخ اور سوائے اس کے - (يَقُولُونَ الصَّلَاةُ) اور قائم کرتے ہیں نماز کے تمہیں - (وَمَا رَزَقْنَاهُمْ يَلْفُ لَفًا) اور اس چیز سے کہ رزق دیے ہم نے ان لوگوں کے تمہیں خرچ کرتے ہیں وہ لوگ خدا کی راہ میں —

(وَالَّذِينَ يَوْمَلُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ) اور ایمان لاتے ہیں اس چیز سے کہ نازل کیا گیا اول تمہارے یعنی توریت اور انجیل اور زبور —
پارہ ۴۸ کی ایک تفسیر سید شجاع الدین کی لکھی ہوئی ہے - خاتمے پر

یہ عبارت ثبت ہے —

”بعون عقائت الہی این تفسیر تصریح کہ سید شجاع الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بزبان مہنت ترجمان بیان فرمودند بتاریخ یازدہم روز جمعہ شہر معصوم الحوام ۱۲۶۸ ہجری مقدسہ اختتام یافت —“

اگرچہ یہ سلمہ کتابت ہے لیکن تالیف کا سلمہ بھی یہی یا اسی کے لک بہک معلوم ہوتا ہے - ترجمہ و تفسیر کا نمونہ یہ ہے - (ہم یتساءلون) کس چیز سے آپس میں ایک کو ایک پوچھتے ہیں کافر - پھر آپ ہی فرمایا (وَاللَّهَ اعْلَمُ) خبر بڑی سے کہ وہ قرآن ہے - (الذی ہم فہم) ایسا

قرآن کہ وہ کفار اوس میں (مختلفون) اختلاف کرنے والے ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ - (کلا سہعلمون) تحقیق جلدی جانہیں گے جب قیامت آئے گی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے اور قرآن خدا کا کلام تھا - (ثم کلا سہعلمون) پھر تحقیق جلدی جانہیں گے کہ برا کیا ہم نے جو ایمان نہ لائے - (الم نجعل الارض مہاداً) آیا نہیں کہے ہم زمین کو بچھونا کہ اوس پر سب ٹھہریں - (والجبال ارتداداً) اور پہاڑوں کو مہٹھیں - جب زمین کو پیدا کیا تو وہ پانی پر ہلتی تھی پھر پہاڑوں کی مہٹھیں اوس پر رکھا تب زمین ٹھہری - (وخلقناکم ازواجاً) اور پیدا کیے ہم تمہیں جوڑے جوڑے کہ تم سے اولاد ہوئے بہانت بہانت کی جیسے کالی گوری اونچی نیچی اچھی بری - (وجعلنا نومکم سباتاً) اور کیے ہم نولہ کو تمہاری کہ بدن کو آرام پہونچے اور ماندگی دور ہوئے - (وجعلنا اللیل لباساً) اور کیے ہم رات کو لباس کہ سب کو اندھارے سے ڈھانپے - (وجعلنا النهار معاشاً) اور کیے ہم دن کو وقت زندگی کا کہ اوس میں روزی پیدا کرے اور پھر چلو پکاؤ کھاؤ -

سورۃ فاتحہ کی ایک تفسیر اکرام الدین نے سنہ ۱۲۴۲ھ میں لکھی ہے - یہ نثر میں ہے - ختم مفسون پر سورۃ فاتحہ کی فضیلت کا بیان ہے - دیباچے کی ابتدائی سطریں نقل کی جاتی ہیں جن میں مصنف نے تفسیر کے متعلق چند ضروری باتیں لکھی ہیں :-

”بلدۃ ضعیف حقیر کسریں اکرام الدین کہ اکثر مسلمان بھائی خصوصاً مہر حسین علی نے رغبت دلائی اس بات پر کہ اگر سورۃ فاتحہ کا زبان ہلدی میں بیان ہو جاوے تو سب مسلمانوں کو اچے ایمان کا دھیان ہو جاوے کہونکہ اس سورۃ کا نام ام الكتاب ہے آخر رسالے میں اس

ام الکتاب کی فصاحت کا بیان ہے اور اس مختصر کا نام تصنیف الاسلام ہے۔
ہارے الحمد للہ کہ یہ رسالہ سن بارہ سو پچاس ہجری عشرہ معمر
الکرام میں تمام ہوا۔“

پارہ ۴م کی ایک اور تفسیر بھی مجھے ملی جس کا سنہ کتابت سنہ
۱۲۵۴ھ ہے۔ یہ بھی ترجمہ ہے، کہیں کہیں بطور تشریح کے کچھ کچھ جملے
اضافہ کر دیے گئے ہیں۔ بطور نمونے کے شروع کی چلہ آیتوں کا ترجمہ
لکھا جاتا ہے۔

”کس چیز سے سوال کرتے ہیں وہ کافر آپس میں پھر اپے فرمائے۔
سوال کرتے ہیں وہ خبرتے کہ بڑی ہے یعلیٰ قرآن شریف اور نبوت اور
قیامت سے۔ ایسی خبر عظیم کہ وہ کافر بیچ اس کے اختلاف کرنے والے
ہیں، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ حق ہے
کہ قریب جانیں گے وہ جب قیامت آئے گی کہ پیغمبر سچے تھے اور قرآن
حق تعالیٰ کا کلام تھا۔ پھر حق ہے کہ قریب جانیں گے وہ دن قیامت میں
کہ برا کہا ہم نے جو ایمان نہ لائے۔ کیا نہیں کہے ہم نے زمین کے ٹٹوں بچھونا
تاکہ دھو تم اور پہاڑوں کے ٹٹوں مٹھیں اور پیدا کہے ہم نے تمہارے ٹٹوں
چورے کہ تم سے اولاد ہوئے۔ اور کیے ہم نے نہلنے کے ٹٹوں تمہاری آرام
بدن کا تاماندگی دن کی دور ہو۔“

اس کی زبان جھسا کہ اوپر کے نمونے سے معلوم ہوگا دکلی ہے۔
ایک صاحب نے بعض سورتوں اور آیتوں کی تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر
برائے نام ہے زیادہ ترجمہ ہے اور ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے۔
اس کا سنہ کتابت سنہ ۱۲۵۴ھ ہے۔

ایک اور تفسیر سورۃ یوسف سے سورۃ حج تک دستہاب ہوئی ہے۔

شروع کے دو چار ورق فائز ہیں۔ آخر میں نہ سہ تالیف و کتابت ہے اور نہ مولف کا نام۔ زبان کسی قدر پرانی ہے مگر سلیس ہے۔ ایسی سلیس اور صاف کہ اگر دو چار ایسے لفظ جیسے لاندکا (یعنی بھیڑیا) ' اپرال (بمعنی اوپر) کھلی (بمعنی کھجی) کہیں کہیں نہ آجائیں تو زمانے کے لحاظ سے اس کی شناخت مشکل ہو جائے کہ مصنف شمالی ہند کا ہے یا جنوبی ہند کا۔ ترجمے میں معروف عربی فارسی الفاظ بلا تکلف استعمال ہوئے ہیں۔ دو تین آیتوں کے ترجمے اور تفسیر کی نقل کی جاتی ہے۔

(قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم) کہا یوسف نے کہ میرے تئیں کر حکم کرنے والا زمین کے خزانوں کا، یعنی گارہار ممالک مصر کا مجھے سونپ۔ کہ تحقیق میں محافظت کرنے والا ہوں تیرے مالکوں اور خبردار ہوں اسرار ممالک میں۔ (و کذلک مکنا لیوسف فی الارض) جہسا کہ بادشاہ کوں مہربان کیا میں نے یوسف پر ویسا ہی مرتبہ دیا یوسف کوں زمین مصر میں۔ یعنی مقبول خلائیق کیا بادشاہ کیاں۔ لائے ہیں کہ یوسف علیہ السلام ستر اور دو زبان جانتے تھے۔ بیچ تفسیر معتبر مذکور ہے کہ بادشاہ نے تخت زر سرخ مرصع سین اور بھانت بھانت کے جواہر لکھے ہوئے واسطے یوسف علیہ السلام کے مقرر کیا، 'ناج مکمل اوپر سر اوس کے رکھے کر کھلیاں خزانے کیاں سونپ کر اختیار ملک کا بیچ ہات اُس کے دیا اور عزیز کے تئیں تقرر کیا اور جو کام اُس عزیز کے تھے عہدہ یوسف کے کھا۔ تھوڑے زمانے میں عزیز مرگھا اور بادشاہ التماس تمام سہیں زلیخا کوں بیچ عقد یوسف کے دیا اور حق سبحانہ تعالیٰ نے یوسف کے تئیں دو بیچے دیا۔ (یلدو منہا) کہ تاجکا پکڑے زمین ملے، یعنی زمین ملک مصر کے بیچ چالیس فرسخ کی عرض رکھتی تھی (حیث یشاء) جہاں چاہے زمین

مصر میں سے (نصب بر حمتا من یشاء) پہونچاتے ہیں ہم رحمت میں
جس کو چاہتے ہیں (ولا نصیع احوال المتسلین) اور ہم ضایع نہیں کرتے
اجر نہکو کاروں کا —

بظاہر یہ تفسیر فارسی کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ جملوں کی
ترکیب سے ظاہر ہے لیکن ابتدا میں عام طور پر اردو زبان کا اور خاص
کر ترجمے میں عبادت کا یہی دہلنگ تھا چنانچہ جگہ جگہ ”لاے ہیں“
لکھا ہے جو ”آوردہ اند“ کا لفظی ترجمہ ہے —

ایک تفسیر سورۃ یوسف نظم میں حکیم محمد اشرف معرطن قصبہ
کاندھلہ نے لکھی ہے۔ اس کا سنہ تصنیف سنہ ۱۲۶۸ ھ ہے۔ طریقہ یہ رکھا
کہ عنوان میں قرآن کی آیت ہے اور نیچے اُس کا اردو ترجمہ نثر میں
اُس کے بعد نظم میں اس کی تفسیر بعض بعض مقامات کی تفصیل بہت
طویل ہے۔ نظم رواں اور صاف ہے مگر فصیح نہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

(و ترکذا یوسف علد متاعا فاکلۃ الذئب وما انت بمومن لما و لو کذا
صادقین) اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اوس کو کہا بھڑکا
اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں —

بقیا ہم نے یوسف کو کپڑوں کے پاس گئے دوڑتے سب کے سب بے ہواس
کہ اتنے میں بھڑکا اُسے کہا گیا یقین ہوگا تجھے کو کب اس بات کا
اگرچہ ہم آپس میں ہیں راست گو دے اس کو کب راست چلے ہے تو
یہ آیت کے سامنے ہوئے ہیں یہاں اب آئے سنا اس کی ہے داستان
سنا جب کہ یعقوب نے یہ کلام ہوا کام گویا کہ اس کا تمام
گرا کھائے غی اور گھا دل دھوک غشی میں رہا شام سے صبح تک
لکھی رونے اولاد اس کی تمام کہا سب نے بھجا ہوا ہم سے کچھ

کہا قتل بھائی کو اور باپ کو گنہگار ہم نے کہا آپ کو قیامت کو کہا دیں گے اس کا جواب خدا جب کہ لہوے گا ہم سے حساب یہ کہہ کر کے روتے تھے چھوٹے بڑے اور آگے تھے یعقوب ان کے پوتے جو دیتے تھے جلبش نہ ہلتے تھے وہ کسی طرح سے نا سلبھتے تھے وہ کہا بعض نے ایک بارہ سے کم ہوا اس کا بیٹا یہ دیکھو ہو تم عجب اس کی حالت ہے مرتا ہے یہ نہ بولے ہے نے سانس بھرتا ہے یہ وہ جس کی فقط ایک اولاد ہو وہ مرجا تو پھر کیوں نہ برباد ہو

اس کے بعد ایک حکایت اسی مضمون کی بیان کی ہے —

”تفسیر وہابی“ پورے قرآن کی تفسیر ہے۔ مصنف نے تفسیر کے خطبے میں سبب تصنیف اور وجہ تسمیہ وغیرہ کا اظہار کر دیا ہے۔ خطبے کے اس حصے کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے —

”بعد حمد اور نعت کے کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا نام تفسیر وہابی رکھا ہوں۔ اور اس تفسیر کے بنانے والے کا نام عبدالصمد بیٹا نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ عبدالوہاب خان بہادر نصرت جگ کا فرزند *۔ ضعیف کے خاطر میں آیا کہ بہت تفسیراں عربی اور فارسی میں لکھنی دکنی تفسیر شاید کہ کم ہوں بلکہ نہیں ہیں۔ اس واسطے سب مردان اور عورتوں کو قرآن مجید کے معانی معلوم ہو کر عالم کو فائدہ ہونے کے واسطے دکنی زبان سے بنایا ہوں۔ اگر کوئی عالم اور فاضل اس تفسیر کو پڑے تو کرم کی رہ سہں اس کے مطلب کی کمی اور زیادتی کو دریافت کر کر درست کریں اور مغفرت چاہیں۔ اور یہی التماس سب پڑھنے والوں کی خدمت میں ہے“ چاہیے کہ اس تفسیر کے پڑھنے والے میری التماس قبول کر

کو مہربانی کریں ” —

آخر میں سنہ اور تاریخ ان الفاظ میں لکھی ہے —

”فی شہر جمادی الثانی یوم السبت من عشرين هذا شهر سنہ ثمانین

وسبع بعد الف من ہجرة النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم —

سنہ ۱۰۸۷ھ جو اس میں لکھا ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا —

تذکر والا جاہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نواب شکوہ الملک نصیر الدولہ بہادر نصرت جنگ ’ امیر الہند والا جاہ کے برادر حقیقی تھے — امیر الہند والا جاہ کی ولادت سنہ ۱۲۳۵ھ میں واقع ہوئی — اس لحاظ سے یہ سنہ صریحاً غلط ہے — غالباً سنہ ۱۲۸۷ھ ہوگا — زبان بھی اس کی پرانی نہیں معلوم ہوتی بلکہ صاف ہے اور تقریباً ویسی ہی زبان ہے جہسی آج کل جنوبی ہند میں مروج ہے — نمونے کے لیے ”سورۃ قارعہ“ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے —

(القارعة مالمقارعة) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قارعہ قہامت کے روز کو کہتے ہیں اور اس روز لوگاں ہول سے کہیں گے کہ قارعہ کہا ہے — (ومااداک مالمقارعة) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بلندتان تم قارعہ کو کہا جانتے ہو — (یوم یکون الناس کالغراش المبتوث وتكون الجمال کالمن المبتوش) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک روز حشر کا ہے کہ اس روز تمام آدمیاں پتنگے کے مانند بھرے جائیں گے یعنی پریشان ہوئیں گے اور پہاڑاں روئی کے مانند پڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے (فامامن ثقلت موازینہ فہو فی عیشة الراضیة) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیس کی نہکی کا وزن زیادہ ہوں گا اور شخص نہک زندگی سے بہشت میں جائے گا — (وامامن خفت موازینہ فامہ ہاویمہ) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس کے نہک عمل کا بوجھا ہلکا ہوگا اسے اللہ تعالیٰ ہاویمہ میں ڈالے

گا - اوردو ہاویہ بھی ایک دوزخ کا نام ہے - (وما ادرایک ماہیہ) اوردو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہاویہ کیا چیز ہے کر کے تم جانتے ہیں - (نار حامیہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گرم آگ ہے یا جلانے والی آگ ہے -

ایک قلمی تفسیر سورۃ کہف سے سورۃ عنکبوت تک ہے - یہ بھی ہر اصل ترجمہ ہے البتہ کہیں کہیں تصریح کے لیے چند جملے اضافہ کر دیے گئے ہیں - زبان دکھائی ہے لیکن قدیم نہیں - نمونے کے طور پر سورۃ قصص سے چند آیتوں کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے -

(آیات الکتاب المبہین) آیات میں کتاب ظاہر کی کہ ظاہر کوئے ہارا ہے راہ راست کے تئیں (نعلوا) تلاوت کرتے ہیں ہم (علیک) اوپر تمہارے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (من نہاد موسیٰ و فرعون) خبر سے موسیٰ اوردو فرعون کی (بالحق) سات راستی کے (لقوم مرملون) واسطے قوم جو ایمان لاتے ہیں (ان فرعون) تحقیق فرعون (عافی الارض) تکبر کہا بھج زمین مصر کے (وجعل) اوردو گردانا فرعون (اہلہا) لوگوں کے تئیں اوس مصر کے (شیعا) گروہ گروہ اور ہر گروہ کے تئیں ایک کام مقرر کیا - (یستضعف) اوردو ضعیف کرتا تھا یعنی مقہور کیا (طایفۃ ملہم) ایک گروہ کے تئیں اودن بنی اسرائیل میں سے (یدبغ ابلہم) ذبح کرتا تھا فرعون فرزندوں کے تئیں اودن بنی اسرائیل کے (ویستحی نساءہم) زندہ رکھتا تھا عورتوں کے تئیں اودن کی واسطے خدمت قبطیوں کے • (انہ کان) تحقیق وہ فرعون تھا (من المفسدین) فساد کرنے والوں سے -

ایک تفسیر جو مہاں شاہ مخدوم حسینی کی تالیف ہے مجھے دستہاب ہوئی لیکن آخر سے ناقص ہے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی یا صرف جلد پاروں کی - مولف کا حال بھی

کہیں نہیں ملا - زبان سے یہ قہاس ہوتا ہے کہ یہ بھی تیرھویں صدی کی ہے - ترجمے کے ساتھ کہیں کہیں تصریح کے لئے کچھ کچھ عبارت اضافہ کر دی گئی ہے - ابتدا الم سے ہوتی ہے - اس کی ابتدائی چند آیتوں کا ترجمہ مع تفسیر نقل کیا جاتا ہے -

(ذالک) یہ وہ کتاب ہے کہ خداوند مالیشان در کتابیں آگے کے ساتھ اقدار نے اس کتاب کے وعدہ دیا تھا - (الکتاب) یہ کتاب کامل ہے یعنی قرآن مجید - (لاریب) کچھ شک اور شبہ نہیں ہے - (فیہ) بیچ اس کتاب کے یعنی ظاہر ہونے سے حجت کے اور واضح ہونے سے دہلیوں کے یہ کتاب سات اس مانند کے ہے کہ جو کوئی کہ بیچ اس کتاب کے ادنا فکر اپنی متوجہ کرے از شک خود کہوے رہ جاوے اور جانے کہ شبہ کہتیں بیچ اس کتاب کے طاقت اپنی کی نہیں ہے - (ہدی) دلالت کرنے والی اور راہ بتانے والی (للمتقین) خاص پرہیزگاروں کے تئیں کیونکہ یہ پرہیزگاران سات اس کتاب کے فائدہ پائے ہوئے ہیں (الذین) وہ لوگ کہ سانچے پر معتقاد اپنے سے (یومنون) خواہیں کرتے ہیں (بالغیب) سات نہیں دیکھی ہوئی چیز کے - وہ کون ہے یعنی حق تعالیٰ اور وہ کون ہے یعنی فرشتے اور وہ کون ہے یعنی قہامت کا دن سات علاقہ والے اس قہامت کے یا چھپا ہوا وحی ہے - اور کہے ہیں مراد غیب سے قضا و قدر ہے کہ مسلمانوں نے سات ان چیزوں غیب کے ایمان لاتے ہیں (ویتقون) اور قائم رکھتے ہیں اور ادا کرتے ہیں (الصلوة) نماز پانچ وقت کے تئیں سات شرطیں اور ادبیں اس نماز کے یعنی واجبات اور مستحبات نماز کے ادا بضوہی کرتے ہیں - (ومسا رزقناہم) اور اس چیز سے سات ان معتقون کے بخشنے کہے ہم (یللقون) نفع کرتے ہیں یعنی دیتے ہیں اوپر اہل

اور عہال اور قرابتی اور ہمسایہ والے صاحب حق داروں کے —
 یہ تفسیر بھی بعد کے زمانے کی ہے اس میں قدیم الفاظ کہیں نہیں
 آتے لیکن زبان دکنی ہے - مثلاً چھہلا چھونے کی جگہ استعمال کیا ہے - اور
 اسما کی جمع 'ان' سے بنائی گئی ہے مثلاً لوگاں 'مایاں وغیرہ - عبارت
 اکثر ناقص اور بے ربط ہے -

یہ ترجمے اور تفسیریں جن کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے
 تیرھویں صدی کے آخر تک کی ہیں - موجودہ صدی کے ترجموں اور
 تفسیروں سے بحث نہیں کی گئی - ہر ایک کے ساتھ ترجمے یا تفسیر کا
 نمونہ بھی دے دیا گیا ہے تاکہ زبان کے اتار چڑھاؤ کی کیفیت معلوم
 ہوتی رہے - پانچ کے سوا باقی سب قلمی ہیں —



ہنگامۂ دل آشوب

(” قاطع برہان “ کے جواب اور جواب در جواب میں متعدد نظمیں اور نثریں لکھی گئی تھیں جو بعد میں دو رسالوں (یعنی ” ہنگامۂ دل آشوب “ حصہ اول اور حصہ دوم) کی صورت میں شائع ہوئیں اور اب بالکل نایاب ہیں ۔ مرلوی سید عطا حسین صاحب ایم۔ اے نے بڑی تلاش اور کوشش سے دونوں رسالے بہم پہنچائے جو انہوں نے ہمیں اشاعت کے لیے عنایت فرمائے ہیں جس کے لیے ہم صاحب موصوف کے بھٹا شکر گزار ہیں ۔ یہ دونوں رسالے سید صاحب کے مختصر دیباچے کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں)۔

غدر کے زمانے میں حضرت غالب کو اپنے مکان میں بند ہو جانا پڑا اور آمد و رفت اور دوستوں کی ملاقات ان کے لیے محال ہو گئی ۔ اس زمانے میں ان کے پاس دو کتابیں دستیاب اور برہان قاطع تھیں جن کو دیکھ کر وہ دل بہلایا کرتے تھے ۔ برہان قاطع کے مطالعے میں انہیں جہاں جہاں غلطیاں نظر آئیں ان کو بطور یادداشت کے قلمبند کرتے گئے اور ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دے کر اور ” قاطع برہان “ نام رکھ کر سنہ ۱۲۷۹ھ میں شائع کیا ۔ ہر چند کہ اس کتاب کے دیباچے میں اس کی اشاعت کی غایت کا اظہار صاف صاف کر دیا تھا —

” چون اُن سفینہ (برہان قاطع) گنکار ہائے نادرست داشت

و مردم را از راه می برد و من آنہن آموز گاری داشتم بر پیروان

خودم دل سوخت جادہ نمایان ساختم تابہراہہ نروند “ —

اس پر بھی اس کتاب کا شائع ہونا تھا کہ ہر چار طرف سے مخالفت

کا طوفان برپا ہو گیا اور برسوں یہ ہلکامہ جاری رہا۔ قاطع برہان کے رد میں کتابیں لکھی گئیں اور شایع کی گئیں۔ قاطع قاطع، محترق قاطع، 'ساطع قاطع' وغیرہ - حضرات غالب نے بعض کا جواب لکھا اور بعض کی جانب بالکل توجہ نہیں کی۔ آخر میں کلکتہ کے مولوی احمد علی صاحب احمد تخلص نے قاطع برہان کے رد میں ایک کتاب موسوم بہ 'موید البرہان' شایع کی۔ مولوی احمد علی صاحب مرحوم اصفہانی الاصل تھے ان کے اجداد میں ایک بزرگ نے دہاکے میں سکونت اختیار کی تھی۔ مولوی صاحب کا مولد دہاکہ تھا لیکن اپنے مشاغل کے باعث کلکتے میں سکونت پذیر ہوئے۔ نہایت ذی وجاہت شخص تھے اور کلکتے کے نہایت ممتاز لوگوں میں ان کا شمار تھا۔ مرزا قنبر علی کے پیر تھے اور فارسی لغات اور اصطلاحات شعرا میں 'برہان قاطع' کو اور لالہ تھک چند بہار کی 'بہار عجم' کو نہایت مستعد خیال کرتے تھے۔ موید البرہان لکھ کر کلکتہ اور نواح کے بہت سے فارسی خواں دوستوں سے تقریظیں اور قطعات تادیخ لکھوائے اور اس کے ساتھ ان سب کو بھی شایع کیا۔ حضرت غالب کی نظر سے جب یہ کتاب گزری انہوں نے جواب میں 'نیغ تیز' لکھی اور اس کے ساتھ ایک فارسی قصیدہ بھی لکھا جس کے ابتدا کے چند اشعار یہ ہیں :-

مولوی احمد علی، احمد تخلص، نسخہ	در خصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است
کھچ و مکران را کہ درسند است و از ایران جدا	شامل اقلیم ایران ہے متعابا کردہ است
قوم بلوچ را بہ ایرانی نژادان دادہ خلط	ترک ترکان سمر قند و بخارا کردہ است
ہندیاں را در زبان دانی مسلم داشتہ	تا چہ اندر خاطر والے اوجا کردہ است
ہر کہ بھلی با زبان مولد خود آشنا است	ساز نطق مولد اجداد ہے جا کردہ است
خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود	خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است

باتعین و جامع برہان ولالہ ٹیک چند لا بہ وسوگہری و لطف و مدارا کردہ است
 'توغ تہز' کاتو کوئی جواب شاید نہیں دیا گیا اور اس قصیدے
 کا جواب بھی مولوی احمد علی صاحب نے خود نہیں دیا بلکہ ان کی ایما سے
 دہاکے کے رہنے والے ان کے ایک شاگرد مولوی عبدالصمد متخلص بہ فدا
 نے ایک قطعہ لکھا اور شایع کیا جس کے ابتدا کے تین اشعار یہ ہیں :-
 فرق حق و باطل اے صاحب نظر بشنو زمن گرترا جو یائے حق ایزد تعالیٰ کردہ است
 دید چوں 'غالب' مرید آن کتاب لا جواب کش بصد تحقیق املا ہادی و مارکہ است
 قطعہ در پوزہی کردار خود ترتیب داد گاہ دروے فقر و گہہ لطف و مدارا کردہ است
 مولوی عبدالصمد 'فدا' کے اس قطعے کے جواب میں ایک قطعہ حضرت
 باقر نے اور ایک قطعہ مولوی خواجہ سید فخر الدین حسین 'سخن' دہلوی
 نے لکھا اور ان دونوں قطعوں کو حضرت غالب اور مولوی عبدالصمد فدا
 کے قطعات کے ساتھ ایک رسالے کی شکل میں ہنگامہ دل آشوب کے نام سے
 آدہ میں منشی سنت پرشاد کے مطبع میں ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۳ھ (۱۸۹۷ ع)
 میں طبع کرایا۔ اس کے شایع ہوتے ہی منشی جواہر سنگھ جوہر لکھنوی
 نے (جو مرزا ناطق مکرانی کے شاگرد تھے) ایک قطعہ حضرت غالب کے
 خلاف اور مولوی احمد علی کی تائید میں لکھا اور مولوی عبدالصمد فدا
 نے حضرت باقر کے قطعے کے جواب میں ایک قطعہ شایع کیا اور اسی
 قطعے میں حضرت سخن کے قطعے کا بھی جواب دیا۔ ان دونوں قطعات
 کے جواب میں ایک ایک قطعہ حضرت باقر نے اور ایک ایک قطعہ
 حضرت سخن نے لکھا۔ ان کے علاوہ لکھنؤ کے ایک شاعر منشی امیر احمد المتخلص
 بہ امیر لکھنوی نے اردو میں ایک قطعہ حضرت غالب کی تائید میں
 لکھ کر آدہ اخبار میں شایع کیا۔ ان سب کے علاوہ لکھنؤ کے ایک شاعر

میر آقا علی متخلص بہ شمس (شاگرد قاضی محمد صادق خان بہادر 'اختر' ولد قاضی محمد لعل باشندہ ہولکی شاگرد مرزا قتیل) نے اردو نثر میں لکھ کر اودھ اخبار نمبر ۲۶ مورخہ ۲۵ جون سنہ ۱۸۹۷ ع میں شائع کیا جس میں قاطع برہان پر اعتراض کے سلسلے میں حضرت غالب اور اُن کی اردو شاعری پر نہایت رکبک اعتراضات کیے۔ یہ مضمون چونکہ نثر میں تھا اس لیے اس کا جواب حضرت سخن نے اردو نثر میں اور حضرت باقر نے فارسی نثر میں لکھا اور ان جملہ قطعات اور ان دونوں نثر مضامین کو ترتیب وار جمع کر کے خواجہ سید نصر الدین حسین صاحب نے آدہ کے اسی مطبع میں بلام 'ہلکامۂ دل آشوب حصہ دوم' جمادی الاول سنہ ۱۲۸۳ھ (۱۸۹۷) میں شائع کیا۔ حضرت غالب کی رحلت ۲ ذی قعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ کو واقع ہوئی۔ یہ رسالہ ان کی رحلت سے تقریباً ۱۰ سال قبل طبع ہوا اور غالباً قاطع برہان کے جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ اسی پر ختم ہوا۔

سید عطا حسین

ماشاء اللہ

دوتا قطعہ بجواب قطعہ مولوی عبدالصمد صاحب
'ندا' تخلص، شاکرود مولوی احمد علی صاحب -

موسوم بہ

ہنگامہ دل آشوب

از نتایج افکار جناب مولوی سید محمد باقر علی صاحب تخلص
باقر و جناب خواجہ سید فخرالدین حسین صاحب دہلوی، سخن تخلص،
علامہ حفصرت جناب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خان بہادر
نظام جنگ، غالب تخلص، مدظلہ جلالہ - حسب فرمائش صاحبان مدوح الصدر -

بقصبہ آراء

در مطبع مثنوی سنہ پرشاد باہتمام مثنوی جیگو بند سہارے مطبع گردید

سنہ ۱۸۶۷ ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یادرب این چه ہلکامہ دل آشوب و این چه دلخراش خروہی است
 کہ ہلکائی نثرادان بہ پیکار حضرت غالب نامور کمر بستہ اند - و بہ
 دراز دستی بیجا دلہائے عالمیان شکستہ - ازین گرمی ہلکامہ نفسم در تاب
 است - و از آتش این غم جگرم کھاب - مولوی احمد علی احمد تخلص
 کہ بہ گفتار ناروا تائید 'برہان' کرد زخمیہر جگر جہانیان زد و عبدالصمد
 کوچک ابدا لش کہ بہنجار طبعی کار سوختہاں نمود ہم برآں زخم جگر نیک
 سود - اکڑوں جوابیکہ بہاسف عبدالصمد فدا ہوقت طبع وقاد جناب مولوی
 سید باقر علی صاحب و ہم بفکر این ہہچمدان سید نضرالدین حسون
 'سختن' قلم برداشتہ نکاشتہ آمد مع ہر دو قطعہ بحضرات فرزانگان سختن
 سراے و سختن سراپان سخنور ستارے آرمغان است تاداد سختن دہلد
 و سوگھری مدعی یکسونہلد -

نخستین قطعہ

دیختہ خامہ جادو بیان حضرت فلک مرتبت کھوان ملزلت و حہد
 عصر علامہ دھر فرمان فرماے ملک معانی شہلشاہ اقلیم سخلدانی جناب
 مستطاب معلی القاب جدنا الامجد اوستادنا و مولانا نجم الدولہ دیہوالک
 نواب اسداللہ خان بہادر نظام جنگ المعروف بہ مرزا نوشہ - غالب

تخلص - اعلیٰ اللہ تعالیٰ در جاتہم و مد ظلال جلالتہ کہ بخندمت مولوی احمد
علی صاحب فرستادہ آمد —

مولوی احمد علی - احمد تخلص نسخۂ
کوچ مکران را کہ درسند است و از ایران جدا
قوم ہولچ را بہ ایرانی نثر اداں دادہ خاطر
در جہان توام بود روئے و پے پشت قتیل
ہندیان را در زبان دانی مسلم داشتہ
ہر کہ بھلی با زبان مولد خود آشنا است
خواجہ را از اصفہانی بودن آبا چہ سود
یاز قتل و جامع برہان و لالہ تھک چند
داوری گاہ بیا فرمود و دروے ہر سہ را
گر چہ با ہندیان دارد تولد در سخن
کردہ است از خوبی و گفتار من قطع نظر
مہل او با ہر کسے از ہند و حنفی خاص من
مطلب از بد گفتن من چہست کوئی نیک مرد
در چاہن نبود - چنان باشد کہ در عرض کمال
صاحب علم و ادب - و آنکہ زا فراط قصب
در جدال دشنام کار مو قہاں باشد - بلے
انعام جامع 'برہان قاطع' می کشد
من سہا ہی زادہ ام - گفتار من باید در شت
زشت گفتن لیک داد بدلتہ ساجی دادہ ام

در خصوص گفتگوئے یارس انشا کردہ است
شامل اقابم ایوان بے مکتا با کردہ است
ترک توکان سمر قند و بخار کردہ است
پیشواے خویش ہندو زادہ را کردہ است
تا چہ اندر خاطر و الے او جا کردہ است
ساز نطق مولد اجداد بھجا کردہ است
خالقش در کشور بنگالہ پیدا کردہ است
لابہ و سوگھری و لطف و مدارا کردہ است
مخلص و صدرا مہن و صدرا علی کردہ است
من ہم از ہندم چرا از من تبرا کردہ است
ظلم زمین قطع نظر ہر چشم بھنا کردہ است
حیف و مہلے با دو عالم شور و غوغا کردہ است
مزدہاں کار از حق آزمزش تما کردہ است
تا بر آرد نام این ہنگامہ بر پا کردہ است
چون سنجیہاں دفتر نفرین و دم واکردہ است
ننگ دارد علم از کاویک آقا کردہ است
انچہ ما کردیم با او - خواجہ با ما کردہ است
و اے برورے گر بتقلید من ایلتا کردہ است
شرخی طبعی کہ دارم این تقاضا کردہ است

مہکنڈ تائید برہاں لہک برہاں ناپدید
 سستی طرز خرام خامہ برہاں نگار
 بہرمن توهن و بہر خویش تحسین جا بجا
 آید و بھڈ ہمہ اندر کتاب مولوی
 لغو و حشو و ادعائے محض و اعلذاب محل
 بگذراں معنی ہمیں الفاظ بہم بستہ ہیں
 یافتہ از دیدن تاریختہائے آن کتاب
 غازیہاں ہمراہ خود آورد از بہر جہاد
 جوش زد از غایت قہر و غضب خون دلش
 آتش خشمی کہ سرزد صاحب خود رانگست
 نیست جز تسلیم قواش ہرچہ انشا کردہ است
 یا نمی دانست یا دانستہ اخفا کردہ است
 ہم مرا ہم خویش را در دہر رسوا کردہ است
 ہرچہ از ہلکامہ گہراں کس تماشا کردہ است
 مار و موش و سوسمار و گربہ یکجا کردہ است
 بادہ نہود شیشہ و ساغر مہیا کردہ است
 خود بدم گفت و باحباب خود ایما کردہ است
 تانہ پنداری کہ این پیکار تنہا کردہ است
 تا زبانہں را بدین کلہترہ گویا کردہ است
 در دلش همچون شر در سنگ ماوا کردہ است

چون نباشد باعث تشایع جز رشک و حسد

یاد غالب خستہ ترگر خستہ پروا کردہ است

دومین قطعہ

کہ مولوی احمد علی صاحب بجواب قطعہ حضرت غالب نگاشتمہ

از نام عبدالصمد فدا شاگرد

خود شہرت داد

فوق حق و باطل اے صاحب نظر بشنو ز من
 دید چون غالب سوید آن کتاب لا جواب
 قطعہ در پوزہں کرد از خود تر تہیب داد
 گفتگو بالائے طاق از اصل مضمون کتاب
 گرترا جزیای حق ایزد تعالیٰ کردہ است
 کش بصد تصدیق املا ہادیء سا کردہ است
 گاہ دروے فخر و گہ لطف و مدار کردہ است
 ہرزہ گوئی ہر چہ دارد بے مکتابا کردہ است
 ”ہم مرا ہم خویش را در دہر رسوا کردہ است“
 گاہ میگوید ز فخر و کبر و عجز و انکسار

‘مار و موش و سوسمار و گریہ یکجا کردہ است’
 در زمین قطعہ ساز شد و غوغا کردہ است
 کبر و زعمش عیب او را آشکارا کردہ است
 شہر سلامت مولدم ایزد تعالیٰ کردہ است
 چون بدیدم معترض این شکوہ بیجا کردہ است
 کردہ ام تبطیل ہر یک انچہ ایما کردہ است
 نام اکثر کرد اخفا بعض را و کردہ است
 ہرچہ هست اندر ادلہ جملہ اخفا کردہ است
 می نویسد احمد اورا صدر اہلای کردہ است
 چون نگارش را باہل پارس ہمتا کردہ است
 داد جو را از گروہ داد گروا کردہ است
 یانمی دانست یاد انستہ اخفا کردہ است
 سہو برہاں چلد جانیکرہ ہویدا کردہ است
 کن تماشاکر خدایت چشم بہدا کردہ است
 در و لعل و عسجد و ہاقوت یکجا کردہ است
 ہم لغت ہم صرف و نحو و شعر انشا کردہ است
 نلگ دارد علم از کاریکہ آغا کردہ است
 ہرچہ از تحقیق املا خامہ ما کردہ است
 بر زبان دارند این مطلع کہ سروا کردہ است
 رنگ دارد علم از کاریکہ آغا کردہ است
 ”ساز نطق موطن اجداد بیجا کردہ است“
 غالب ہندی چرا در فرس انشا کردہ است

کہ فرماید ہمیں از غایت رشک و حسد
 تا نہلدارند ساکت گشت غالب از جواب
 حیف مرزا شد چرا زیں سال سراسر بوالفصل
 من کہم عبد الصمد - در شعر نام من فدا
 یامن یکے از کمترین خدام آقا احمد
 پاسخ اقوال بیجاہش نوشتم بھد رنگ
 من نخست ابلہ فریبہائے او ظاہر کلم
 از سروری و قوسی و قہرنگ ہائے معتبر
 ہادیم قول بہار آورد چون در بعض جا
 ارستادے ماهر فن گر حکم شد تبع چوست
 و اے بروے شد چنان بیہوش از جام غرور
 باز می گوید کہ احمد سستی برہاں نگار
 گردے اخفای حق منظور اورا پس چرا
 بسمل و ایثار بخش اوندی و دیگر لغات
 و د کسے پند کتابش درج گوید بالیقین
 حہذا اعجاز خوش درکار بردہ اوستاد
 ہم در ان قطعہ دگر دہ گزید آغاے سرا
 لہک اے یاران بگوش ہر ش خود ہاں جادہود
 فاضلان و شاعران کشور ایران و تور
 نلگ دارد علم از کاریکہ مرزا کردہ است
 ہم باحمد می نگارد میرزاے سالخورد
 اب اگر بیجا بود اے ناظران با خرد

نہک میداندند انایان تحقیق آشنا
 میرزا را از بخارا بودن آبا چه سود
 زشت گوئی را چو کار سئلہ داند پس چساں
 عذر بد گفتن بود اورا سپاہی زادگی
 جد آقا بد سپہ سالار فوج نادری
 مصرع دیگر طراز و غالب زیبا بیاں
 اوستادم بہر نام این کار خود نگرفتہ پھش
 بشنوید اے دوستان آخر خدا را بشنوید
 ”میکنند تائید برہاں لیکن برہاں ناپدید“
 داد زیں ناراستی - فریاد زیں ناراستی
 ہر یک از اقوال احمد با سندھا میشنوید
 ہر کلام ہر زہ واقوال پوچ و بے نشان
 شیخ را دانم کہ علم و فضل او بہرہ نکرد
 چون نظر انداخت بر تقریظ ہائے آن کتاب
 ’غازیاں ہمراہ خود آورد از بہر جہاد
 دوستان احمدی غازی و پیکارش جہاد
 جنگ غازی را کہ باشد در جہاں داند خلق
 چیست جز این موجب خورسندی و توائے فدا
 گر بظاہر او کند انکار لیکن خفیئاً
 کز مجہب و معترض کہ کار بیجا کردہ است
 خالق اورا چوں بملک ہند پیدا کردہ است
 نامیان ہند را دشنام بیجا کردہ است
 خوش جوابے از سپاہی زادہ پیدا کردہ است
 خواجہ غافل زان سبب این سست دعوی کردہ است
 ”تاہر آرد نام این ہنگامہ برپا کردہ است“
 مردہ را جان داد - حقاً کار عیسی کردہ است
 حضرت غالب باحمد این چہ ایما کردہ است
 وز براے خویشتن توصیف جاہا کردہ است
 ہر کہ دیدہ نسخہ را کے بارر اینہا کردہ است
 اوستادم خورد ستائی همچو او ناکردہ است
 واے غالب خویشتن را خوار و رسوا کردہ است
 نصرت و کبریہ دارد این تقاضا کردہ است
 دوستان احمدی را وہ چہ ایما کردہ است
 تانہ پنداری کہ این پیکارتلہا کردہ است
 حق بدست کہست ظاہر در معیا کردہ است
 حیف خود را از زبان خویش رسوا کردہ است
 اوستادت خواجہ را تعلیم جاکردہ است
 لامحالہ ورد جانہی ہر سخن را کردہ است

قضاہ

بجواب قطعہ عبدالصمد فدا رشک کلک گھر بار جناب مولوی

باقر علی صاحب - باقر تخلص

تلہیز حضرت غالب مدظلہ العالی

ہاں تماشائے سخندادان معنی آشنا
الکے با افصحہ ہنگامہ برپا کردہ است
ماجرائے طوقہ باشد - قصہ باشد عجب
زاغ پیش بلبلے سر شور و غوغا کردہ است
صعوبہ ہاشمہاز گرم رزم شد نے نے غلط
دوبہے ہاشور جنگ فتنہ آرا کردہ است
ہاں کجا احمد علی و حضرت غالب کجا
ذرت خود را با وج مہر ہستا کردہ است
غالب آمد غالب ہر شاعران نکتہ سلج
گلشن معنی نے کلکش مطار کردہ است
در فن معنی ہر آن کس با فلک سر پر کشید
سجدہ خاک در او زیب سہا کردہ است
دستم میداد معنی حضرت غالب بود
رحم ہر شوخہ کہ بارے جنگ برپا کردہ است
گفت در رد کتاب حضرت غالب کتاب
ایں مگس را بھیں کہ ہاشمہاز پروا کردہ است
گرجہ زاید باشد از حیثیتش نام خدا
لائق تحسین بود کارے کہ آغا کردہ است
ار چہ جہلش گشت ثابت با دلیل قاطعی
دعویٰ تردید قاطع گر نہ بیجا کردہ است
ہم بغور و فکر بہارے ز تحریر جواب
سرسری ہر آنچه کلک غالب انشا کردہ است
خود چو قاصر گشت آفا - کوچک ابدالش چرا
خویش را با او تمام خویش رسوا کردہ است
آن فدائے بے خرد بے چارہ بگلالی نژاد
چوں نداند شہوہ گفتار را - نادان چرا
شوخی طبعش نہارم آن کہ در عرض کمال
من فدائے او چہ خوش تقریر زیبا کردہ است
در گمان خویش شد پشت و پناہ اوستاد
پردہ شرم و حیا از روی خود را کردہ است
در گمان خویش شد پشت و پناہ اوستاد
عجب پنہا نش حقیقت آشکارا کردہ است
سستی طرز کلامش گر نویسم سر بسر
دفترے باشد بشرح آن کہ انشا کردہ است
لہک ظاہر می کند زان جملہ عجب چہدہ
تا بہ بھد ہر کہ حقیقت چشم بھنا کردہ است

با فصاحتها کہ دارد همچین * ارشاد کرد "بزربان دارند این مطلع کہ سرور کردہ است"
 سر نمودن را از مطلع پیرغریب است و عجیب لہک نتوان گفت کہیں بھبودہ املہ کردہ نیست
 سر بر ہلہ بودن است از عادت ہلکا لہان انچہ خورد میکرد شعرش نہی گویا کردہ است
 باز مہسازد بدیگر جالہیں تقریر خوش "کز مجیب و معترض کہ کار بھجا کردہ است"
 نہک مہد اند اہل را از کایں اشباع کاف از فصاحت مصرع را بھشک معرا کردہ است
 گر بگفتے زین نمط بودے فصیح و خو بتو کز مجیب و معترض آخرکہ بھجا کردہ است
 شد ترنم آشنا جائے بآہنگ دیگر "نامہاں ہند را دشنام بھجا کردہ است"
 کردن دشنام کے باشد روا نزد فصیح بے خبر از کوچہ دانش چہ آیا کردہ است
 قہر ازین از سستی و ترکیب و لغو وحشو و نغز پختہ مغزی ہائے او ہرچہ تقاضا کردہ است
 ہمچو روز روشن است و نہک روشن گشتہ است برسختلدان چہاں ہرکس تماشا کردہ است
 باہمہ فقدان استعداد این شور و شغب بود کے جایز مگر از راہ سودا کردہ است
 بہخود شاگردی 'احمد' کہ کردہ است آشکار تاجہ طرفے بست زین کاریکہ پیدا کردہ است
 ہاں بھا - نادان بھا - با استاد خود بھا 'فالب' استاد جہانش حق تعالیٰ کردہ است
 سر بضاک آستانہں نہ پئے عذر گناہ حق پرستیہا اگر درد دل ترا جا کردہ است
 سرمکتوم معانی بوالہوس اینجا بچوے گردلت رمز معانی را تمنا کردہ است

باقرا از شکرانہ این کے توان آمد بروں

کہ مرا تلمہذ 'فالب' حق تعالیٰ کردہ است

قطعہ دوم

بجواب قطعہ عبدالصمد فدا از نتایج افکار سود فخرالدین حسین
 دہلوی سخن تخلص - تلمہذ و نبیرہ حضرت جناب نواب اسد اللہ خان فالب
 مددوح الصدر تعالیٰ اللہ شانہ و مد ظلال جلالہ -

مولوی 'احمد علی' آن واقف ہو علم و فن در سخن با جہد من پیکار بھیجا کردہ است
دیگرے 'عبدالصمد' شاگرد آن زیبا بیاں ہمدریں جنگ و جدل تائید 'آقا' کردہ است
آن یکے ہرزہ در مغرور برگفتا رخویشی وین دگر خودیوں کہ ایں ہنگامہ برپا کردہ است
آن یکے عاقل کہ میخواستہد نمائے خویشتن وین دگر لکن کہ با اقصی سخنہا کردہ است
آن یکے حاسد کہ می دارد ہر پیکارہا وین دگر نادان کہ خود رانیو رسوا کردہ است
می تراود خون ز چشم من چومی بہلم جواب آنکہ از رشک و حسد در نظم انشا کردہ است
دسترس باشد اگر بر مدعی من آن کنم انچہ در پیکار اسکندر بہ دارا کردہ است
ہاں بھا اے ساکن ہنگامہ بامن در ستیز خالق کو نیں دہلی مولود ما کردہ است
در سخن سنجی سخن دارم تخلص آشکار با تا مل بیں کہ کلک من چہ انشا کردہ است
حضرت 'فالب' کہ یک عالم بود تلمیذ او وائے بر 'آقا' کہ باوے جنگ برپا کردہ است
آن سخن سنجے کہ در روز ازل پیش از ظہور از رضائے حق تعالی مشق ا ملا کردہ است
آن معانی آفرین کز حکم رب ذوالجلال ہرچہ پنہاں در عدم بود آشکارا کردہ است
عرفی و قش بگویم گر بمطلب وارسد خامہ جادو طرازش انچہ انشا کردہ است
با چلن کس در سخن پیکار 'آقا' ناسزا خویشتن را بیگماں در دہر رسوا کردہ است
وہ چہ حوش گفتار دارد در زبان پارسی از تفاخر ایں چلنیں تقریر زیبا کردہ است
"من کہم 'عبدالصمد' در شعر نام من 'فدا' شہر 'سلیمت' مولدم ایزد تعالی کردہ است"
من فداے شوخیء تعزیر آن جاوہ بیاں نام خود را با فصاحت آشکارا کردہ است
جائے دیگرے ادب از غایت رشک و حسد بہر 'فالب' ایں چلنیں تعزیر بھیجا کردہ است
"دوستمان 'احمدی' غازی و پیکار شجہاد حق بدست کیست ظاہر درمعنا کردہ است
اے 'فدا' چوں از مذاق شاعران آگہ نہ توجہ دانی حضرت غالب چہ انشا کردہ است
گوہماں مضموم تو شد از جہاد و غازیان و دہیوں مضمون کفر اندر دلت جا کردہ است
ہشلو از من بے خبر ایں پاسخ دندان شکن ہست مردانہ من ایں تقاضا کردہ است

از یان دارند با 'غالب'، تو لا در سخن کافران باشد کہ از 'غالب' تہرا کردہ است
ایکہ 'غالب' ہست در دین سخن پیغمبرے آنچه کرد 'آغا' باو - شخصے بموسی کردہ است
متفق ہستند بر این جملہ ارباب خرد لائق نفرین برد کاریکہ 'آغا' کردہ است
حاشا للہ من نخست او را نگفتم نا سزا پاسخ اقوال او دادم کہ انشا کردہ است
اے سخند انان با انصاف آخر بشنوید در جواب 'قاطع برہاں' کہ بہجا کردہ است
تاچہ اندیشید 'آغا' کاندیں عرض جواب از رہ تہذیب گمرہ خریدشتن را کردہ است
بوالعجب ہا ماندہ ام کاین صاحب علم و ادب با چلیں فہم و فراست این چہ آیا کردہ است
من عزیز 'غالب' ام - ہم در سخن تلمیذ او عرض مہدارم بار کاین جنگ برپا کردہ است
گفتگو داری چو در موجز کتاب لا جواب آنکہ در تردید 'برہاں' 'غالب' انشا کردہ است
گفتگو با من بفرما - پاسخش بشنو من در حضور حضرت 'غالب' چہ انشا کردہ است
شرط آن باشد و لیکن در جواب و اعتراض آنچنان نبود کہ در اخبار املا کردہ است
محترز شہد از تحریر الفاظ درشت تا نگویید غیر کاین بیہودہ املا کردہ است
لیکن آن دانم کہ از آغا نباشد احتیاط حق زبانش را چو بادشاہ گویا کردہ است
اے سخن بربیک سخن اکثوں سخن کوتہ کذب خواجه از رشک و حسد این شروغ رفا کردہ است

او ستاد من شدہ از بہر آن محسود خلق

بر ہمہ غالب چو اور احق تعالیٰ کردہ است

تہت

الحمد للہ والہدۃ کہ نسخہ ہنگامہ دل آشوب در مطبع منشی سنت
پر شاد باہتمام فرخندہ رائے منشی جے گوبند سہائے بمقام آرہ ضلع شاہ آباد
بتاریخ ۵ شہر ذی الحجہ ۱۲۸۳ھ بتلپ طبع آمد -

برائے سدا میں معنی کہ کتاب ہذا مطبوعہ منشی سنت پر شاد است

مہر و دستخط مہتمم افزودہ شد العبد (چنگو بند سہائے) مہتمم -

ما شاء اللہ

نخستین دوتا قطعہ بجواب قطعہ منشی جواہر سلیمہ صاحب چرہو تخلص شاگرد مرزا

ناطقی مکرائی و دروہیں دوتا قطعہ بجواب عبدالصمد

فدا تخلص شاگرد مولوی احمد علی صاحب موسوم بہ

حصہ دوم

هنگامه دل آشوب

از نتایج افکار جناب مولوی سید محمد باقر علی صاحب باقر تخلص
و جناب خواجہ مہد فخرالدین حسین صاحب دہلوی سخن تلامذہ حضرت
جناب نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ غالب
تخلص املی اللہ تعالیٰ درجائتہ ومد ظلال جلالتہ و در آخر نثر اردو بجواب
نثر میر آغا علی صاحب لکھنوی شمس تخلص از نتایج افکار جناب خواجہ
سہد فخرالدین حسین صاحب موصوف -

قصہ آرہ

در مطبع منشی سلت پوشاد باہتمام منشی جیگو بلد سہائے طبع شد

بار اول ۱۰۰ جلد

سنہ ۱۸۶۷ ع

قیمت فی جلد ۲ آنے

حسب فرمائش مصنفین ممد و حین طبع شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برناظرین باتمکین مخفی نماناد کہ زین پوش قطعاًے چلد در جواب
 قہمہ عبدالصمد فدا! سلہتی ہلکالوی شاگرد مولوی آغا احمد علی جہانگیر
 نگری کہ در جواب قطعہ حضرت غالب مدظلہ العالی در حیز نگارش در آورده
 بود ترتیب یافته و بہ ہلکامہ دل آشوب مسمی گردیدہ در مطبع آرد
 زیور انطباع پوشیدہ بود حالیا بعد چلد ماہ آن 'فداے' عالی مقام باز
 سر بشورہی برداشت و آن آتش فقلہ کہ بہ آب افشانی جوابات شافہہ
 آشنا بجمود گردیدہ بود باز چوں اخگر زیر خاکستر نرم نرم سر بہالا
 کشیدہ زبانہا بر آورد یعنی 'فدا' کہ دل و جانم فدائے ارباب رد جواب
 نکاشت و رائے جواہر سلگہ 'جوہر' تخلص کہ کاسہ لیس سفرۃ مکرانہان
 است بہ کمک آن سرمایۃ دانش بحکم المجلس یمیل الی المجلس کمہمت
 بر مہمان جاں بست و از بہر اشتعال آن نائزۃ نزاع دامن بچشمش در آورده
 بقتار نادرست کہ خموشی ہزار بار ازاں بہتر تواند بود پردۃ خفا
 از عارض مخدرۃ استعداد خود برکشید و شاہد چہاں خود را از حجلۃ کتمان
 بصلۃ ظہور موکشان در آورد۔ ناگزیر از بہر انطغائی این جدوۃ سر بفلک
 کشیدۃ نساد سحاب کلک گوہر سلک را مرۃ بعد اولی آشفاے ترشح کردہ
 آمد تا اخگرے بل اثرے ازاں باقی نماند۔ بوکہ این جوابہاے دندان
 شکن و تقریر ہاے سرمہ در گلو ریز باعث نزہت خاطر تماشا نشان و قرۃ عین
 نظار گہان گردد و بالہ التعوفتی —

نخستین قطعہ منشی جواہر سنگھ جوہر تخلص شاگرد مرزا ناطق مکرانی

جوہر امروزے باخبر این تماشا کردہ است شاعرے با شاعرے ہلکامہ برپا کردہ است
اکبر آبادی خدائے نظم با خود غالب است احمد بلکالہ ہم پیغمبرِ پیا کردہ است
اندریں شک نیست غالب اوستاد پارسیست لیک پیکار از سپاہی زاد گہیا کردہ است
زانکہ زبید تازہ گوئی شاعران کہلہ را مہترانِ خاموش ماند از فعل بیجا کردہ است
قاطع برہاں بطور خود اگر ترتیب داد ہاں چرا قطع مروت در سخنہا کردہ است
بحث من در معنی باریک و لفظ نازک است نے بدشنامیکہ 'غالب' کرد و 'آقا' کردہ است
بگذرید از گفتن بد یکدگر را بگذرید نیست از تہذیب ہر کس کہیں سخنہا کردہ است
نہست بحث شمع و سنی میان شاعری چہل از دشنام گویا اجر پیدا کردہ است
نیو در ہر فن کہ از علم و تعلم ممکن است طعن و فخر زد و بوم از خوشدلیہا کردہ است
علم و فضل اے دوستان بر نطفہ شیرازیست کس بہ صلب و رحم کے آخر سخنہا کردہ است
نہک یارب تر بیت ہم صحبت صاحب کمال مہشود شاعر کسے کیلہا مہیا کردہ است
آفریں بر مولوی 'احمد علی' بلکالوی آنکہ از بزم خموشاں گفتگوہا کردہ است
در چہیں ملک بعید از دہلی و پایاں ہند زدہ دارد شاعری کار مسیحا کردہ است
دور از دہلی بعید از لکھنؤ خوش باد کو پارسی بالہجہ اردو مہیا کردہ است
آنکہ 'غالب' طالعہ بر مکرانہاں ہم میزند اگرہ شاید بجاے خود بتا را کردہ است
مہکم تسلیم ہاں پیور بخارا 'غالب' است احمد درانی آن احمد کہ بیجا کردہ است
ترکی خود را تمام اے دوستان زینجا کلید ہند را فخر چہاں آن رب اعلیٰ کردہ است
مہترانم گفت تا مدہ کہ از ایراں بہند لفظ رنگیں شوخ مضمون کے بہ یکجا کردہ است
خسرو و فیضی بہیں نازش بہند دوستان کلند چون علی و چون غنی معنی کہ پیدا کردہ است
نہز این بیجاست از تحقیر در حق قہیل مقتداے خویش ہند زدائے را کردہ است
بر ہمیں وارستہ و مخاص فہوری و بہار صد چو اینجا معجز اندر پارسیہا کردہ است

چوں سخن از علم و تعلیم است می لازم بہند خامہ مارا بہ ہیں اعجاز این جا کردہ است
اصل ما از دہلی است و مولد ما لکھنؤ است نازشے دارم کہ ہندو خالق ما کردہ است
نہستی یارا تو از ایران و توران و دمشق دور گرد و نت مسلمان بلکہ از ما کردہ است
کس چرا خود را کلد منسوب ایران جہرت است مرد ہندی جد خود چوں از بخارا کردہ است
ہم قتل و صاحب بڑھل اگر ہیچ است و ہیچ عاملے تسلیم آخر بہتر از ما کردہ است
مدعی بزدیگران از خوردہ گہری بگذری تازہ تصلفے بخوان گر طبع پیدا کردہ است
خلدہ می آید مرا بر پیروان ہر دو کس می توانم گفت یک یک کار بیجا کردہ است
ہر یکے شد معترض بزدیگر و خود ہم غلط خود غلط بر خود غلط اصلاح گویا کردہ است
لیک در این نظم با استناد کس را راہ نیست جانب مطیع رواں خود بے متحابا کردہ است
می کلد کچ مچ زبان را کاف بنکالی بلے 'کز مجیب و معترض کہ کار بیجا کردہ است'
طعنہ زد شاگرد غالب باز خود موزوں نمود 'کہ مرا تسلیم غالب حق تعالی کردہ است'
او اگر سروا غلط گفت این ز مصرع عین خود 'از فصاحت مصرع را بے شک معرا کردہ است'
از برائے آنکہ گردد جنگ یاران بر طرف خامہ ما صورت انصاف پیدا کردہ است
بلکہ در غالب و احمد بود گردار و گیر این فدا و مولوی باقر چہ بیجا کردہ است
نہز اندر کاملاں آن دارو گیر بحث عالم نے بدشنامی کہ ریش و فیش یکجا کردہ است
در جہاں یک کرد روئے احمد و پشت قتل اجتذاب اہل خرد زیں گفتگو ہا کردہ است
راست گویم بعد ازین گرد ہر دو گیرند حکم کیں غلط کردہ است یا آن شور بیجا کردہ است
ختم کن اے جوہر ہندی سخن از وعظ و پند چق چقی مارا چہ گر ملا بہ ملا کردہ است

نہست اے جوہر سروکارے مرا با ہر دو کس

بگذرید از شوخی و گر خامہ ما کردہ است

قطبہ بجواب قطعہ مذہبی جواہر سلگہ جوہر تخلص از نعلایج افکار
جذاب مولوی سید محمد باقر علی صاحب باقر تخلص شاگرد
رشد ملک الشعراء ایران و ہند حضرت جذاب معلی القاب
نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ
غالب تخلص اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجائتہ و شائہ

جوہر دانش پڑھے نغمہ سانچے نغمہ گو آنکہ در ملک معانی داوریہا کردہ است
بود گویے سہمت از استعدا خود صد مرحبا سحر کاریہا عجب در نظم پیدا کردہ است
حبذا انداز و خوش طرز خرام خامہ اش زندہ جان استعدا خود را زین اداہا کردہ است
می بود دل در سخن ہر چہ انداز ہست این من سوس گودم چہ طرز نطق پیدا کردہ است
ہوشم از سر برد و صبر از دل ز معشوقانہ وضع طرفہ سحرے بین کہ ہلد و زادہ سا کردہ است
دشک امثال است در شیوا ز بانہا بلے نطق او انداز ناطق را ہریدا کردہ است
ہاں مگر کج میج ز بانہا زوجہ کم سلی است آفریں بادش کہ حق زین گونه گویا کردہ است
خامہ شہرین نوا در پردہ تا کے نغمہ ہا آشکارا گو چہ کلک گوہر انشا کردہ است
ہاں کشودن می توان شمشیر بران زبان انقلاع کفر واجب حق تعالیٰ کردہ است
آن جواہر بھی کہ جوہر کرد نام خویشتن طرفہ تکلفہ بلام خویش پیدا کردہ است
حرف علت چوں گواں آمد و را اندر مہاں از درون ساقط چلیں آسا الف را کردہ است
دعوی شاگردی مکرانہش آنکہ چلیں در زبان سوچیاں این شور و فوغا کردہ است
ہیچ در نگرمت فیض استادش و اعجب قول سعدی صادق آمد آنچه ایما کردہ است
صبر خود برباد داد آخر چرا در مشق شعر چوں ہدیہ سرمایہ دانش مہیا کردہ است
ریخت این ہلد و بہ ببہید آبروی پارسۃ طرفہ کج و کج پریشان گفتگوہا کردہ است
نہست از مسلک خبر باشد اگر مسلک الہہ ہست ترکہب از غلط ہرگز نہ پروا کردہ است
لفظ اگر باشد غلط باشد همانا عضو اوست لغو و حشو و مہمل و موضع یکجا کردہ است

زعفران زارش بخوارم نے زمین شعرا و خندہ آمد کسے را کیں تماشا کردہ است
 کرد بسم اللہ قلم نادان چو گفتا میں چنیں ”جوہر امروزے باخبر این تماشا کردہ است
 یامے ”امروزے“ چہ باشد گر نہاد لغو و حشو العذر زیں سہو کایں بیچارہ ایلیجا کردہ است
 ”اکبر آبادی خدایے نظم باخود غالب است“ مصرعے زینسان بد یگر شعر انشا کردہ است
 لکشمہ دانستمے باخود چہ معنی داشتمے است شاعر شیریں زبان ماچہ املا کردہ است
 ”مہکم تسلیم ہاں پیر بخارا غالب است“ میں کلامیں ہیں کہ شریحہش تقاضا کردہ است
 خود بود نادان مگر مغلوب طفل لکھنؤ غالبم را کلکش از پیر بخارا کردہ است
 می سراید مصرعہ در شان آن احمد علی ”احمد درانی آن احمد کہ ہہجا کردہ است
 سستنی ترکیب میں مصرعہ می باشد عیاں ماسبق راہیج، بطلے ہم نہ پیدا کردہ است
 ”می توانم گفت ناسد ہر کہ از ایران بہند“ مصرع اش باشد : املا نلکم ایلیجا کردہ است
 خندہ می آید مرا بر دانش و بر عقل او کایں خوردن دشمن چہ میں بہ ہودہ دعویٰ کردہ است
 صد ہزار از شاعران نگر گو باشد بے آنکہ سوئے ہند نے روئے تماشا کردہ است
 من بقربان فصاحت ہاے میں مصرع کہ خواند ”لفظ رنگیں شوخ مسعود کے بہ کجا کردہ است“
 ”علم و فضل اے درستان بر نطفہ شہر از نہست“ مصرعہ بامد نصاحت کلکش املا کردہ است
 معلیٰ او منحصر بر نطفہ شیراز نہست لیکن از بطن خود میں معذرت پیدا کردہ است
 بہضرت شوق حکم گشتن میں دارد بسر از کلیم اندازہ بھریں بو الہوس پیا کردہ است
 خود حکم کے می توان شد بو الحکم باشد بے باہمہ جہلے کہ دارد طرفہ دعویٰ کردہ است
 آہ زیں نادانہیں فریاد زیں نادانہیں کز جہالت اعتراض پوچ بر ما کردہ است
 کاف، ماو کاف، ہنگامی تہہ یک حکم راند صدر و اوسط را بزعم خویش یکجا کردہ است
 فرق مہداند کسے کو را بود ذوق صحیح چوں نداند او چرا ہنگامہ برپا کردہ است
 اعتراض ثانیوش ناشی ز سہو کاتب است لفظ مصرع او بجائے شعر املا کردہ است
 خامہ معجز نگار سحر پرواز صفہر کو بالہم معانی خسرو پیا کردہ است

خراب تقدیر لطیف و نیک تحقیق انیق در جواب اعتراض جوهر انشا کرده است
 مہتو اس نگرستن آنجملہ را بافور و فکر گر دلت تفصیل و شرحش را تمنا کرده است
 آن فدازیں پیشتر باقر دل ما بردہ بود جوهر ما حالیا این قتلہ برپا کردہ است
 آن ندا خروش منظر آمد- جوهر آمد خروش مزاج وہ چہ شوخیہا بصد ناز و ادا ہا کردہ است
 آن اگر نور نظر بود این سرور سہلہ شد زندہ باشد خروشی دل غمیدہ ما کردہ است
 باشدش ہر لحظہ از ما صد نیاز و اشتہاق
 کو چو جان اندر حریم دل مرا جا کردہ است

قطعہ دوم بجواب قطعہ جوهر از خواجہ سید فخر الدین حسین صاحب
 دہلوی سخن تخلص - تلمیذ و نبیرۃ حضرت غالب ممدوح الصدر مد ظلال جلالہ -
 اے سخن فی الحال چون در لکھنؤ وارد شدم دیدم اخبارے کہ شخصے باز غوغا کردہ است
 شاعرے ہندی زبان منشی جو اہر سنگہ نام در قصیدہ پاسخ قطعات انشا کردہ است
 مہرزا ناطق کہ شاعر بود مکرانی نژاد خویش را تلمیذ او در نظم انشا کردہ است
 در جہاں جوہر چو او باشد ملم جوہر شد اس اوچرا با شاعران این جنگ برپا کردہ است
 شد حکم در زعم خود جوہر درین جنگ وجدل این حکم را بہیں کہ با غالب چہ ایما کردہ است
 از وہ انصاف برگزید و سوگھری نمود جابجا توہین غالب مدح آغا کردہ است
 گفتگوئے زشت را بد گفت و خود ہم گفت زشت مہشود ناصح ولے خود کار بہجا کردہ است
 مدعی غالب زیبا بیان شد در سخن از پے مکرانیاں این جنگ برپا کردہ است
 صد قہیل و جامع برہاں اگر یکجا شوند پاسخہن ناید ہر آنچہ غالب انشا کردہ است
 طعنہ زد بر غالب از رشک و حسد آن بیخرد نسبت اوستاد با پیر بخارا کردہ است
 از تفاخر بعد ازین اظهار اصل خود نمود گفتگو در اصل خود بے سورد و بہجا کردہ است
 لکھنؤ شد مولدش بالفرض لہکن فخر چہست خالقش چون مسکدش پھر بخارا* کردہ است

آنکہ گوید پاریسی موقوف بر شیراز نیست من بگویم مدعی این سست دعویٰ کردہ است
از عجم در ہند تخم پاریسی آمد بلے خالقش در ہند از شیراز پیدا کردہ است
خلدہ می آید مرا ہم بر ذکا و فہم او در جواب مولوی باقر چہ انشا کردہ است
اول مصراع با این کاف ناجائز کہ گفت شاید از استاد خود گوش این سخنہا کردہ است
ناطق مرحوم رشک بلبل شیراز بود عالمے او ستادیش تساوم ہو جا کردہ است
می توا نم گفتش اکنون بقول او ستاد یانمی دانست یاد نیستہ اخفا کردہ است

اے سخن با چوہر ہندی نمیداریم جنگ

این جواب نظم او گفتیم کہ انشا کردہ است



دو میں قطعہ مولوی عبدالصمد - فدا تخلص - بلکالوی بجواب قطعہ

مولوی سید باقر علی صاحب و خواجہ فخر الدین حسین صاحب سخن دہلوی -
مولوی باقر علی باقر تخلص قطعہ در جواب قطعہ این بلدہ انشا کردہ است
ہمچنین نظم دگر بلوشت فخرالدین حسین کو تخلص در سخن سنجی سخن را کردہ است
من جواب ہر دو قطعہ می نویسم یک بیک کلک من در حق و باطل فرق پیدا کردہ است
باقرا اندر لغت دشنام کردن 'آمدہ است ز اہل فن خواجہ حسن در شعر املا کردہ است
اے کہ مہگوئی کہ سرا کردن آمد پر فریب پر غریب است انچہ اندر خاطرت جا کردہ است
لفظوا 'کردن' بود با 'باز کردن متعدد در لغت ہیں گر ترا در دل شکہ جا کردہ است
نہو وصف چہبہ و پوشانی و مانند آن صایب استاد سخن و ا کردہ املا کردہ است
مہکلم تحسین کلوں بر قطعہ باقر کہ او دفتر از جرش فصاحتہاے خود و ا کردہ است
زاں فصاحتہاے او دانم سخن در چند شعر میتوان فہمید از بی دیگر چہ انشا کردہ است
ہاں سخفدانان خروش اضراب و ترقی بلگوید اندرین شعر یکہ کلک باقر املا کردہ است
"صعوبہ ہاشمہاں گرم رزم شد نے نے غلط روہے ہا شیر جنگ فتلہ بر پا کردہ است

کز بلندی جائے برا و چ ثریا کردہ است
 لائق تحسین بود کاریکہ آغاز کردہ است
 سرسری ہر انچہ ملک غالب انشا کردہ است
 ز اہل یارس آنرا بدین معنی کہ املا کردہ است
 دستان بیلد کاین ہادی تماشا کردہ است
 ضحکہ خلق از زبان خلق خوردہ است
 ”افصاحت مصوع را بہشک معرہ کردہ است
 خود بد و آنکہ بطعن غیور لب را کردہ است
 خون این برگردن نش ظالم آشکارا کردہ است
 آرے آرے فرط جہاش کور اورا کردہ است
 کاند ریں د و شعر نغز خود چہ املا کردہ است
 پختہ مغزیم اے او ہر چہ تقاضا کردہ است
 کہ مرا تلمیذ غالب حق تعالی کردہ است
 ہر جو اے کو کند آن پاسخ ما کردہ است
 شکر و شکرانہ مراد ف آشکارا کردہ است
 بسکہ لطف و خوبیش محدود تماشا کردہ است
 بر سخندانان جہاں ہر کس تماشا کردہ است
 طرفہ حسن و خوبی عشر آشکارا کردہ است
 این چہیں جاہا چہ لفظ را تقاضا کردہ است
 کوز شاگردی مغالب فخر و دعوی کردہ است
 فائدہ داری کہ مشق نظم قلبا کردہ است
 این عجب ترکیب دروے قابل املا کردہ است

نغز تر باشد ازیں ہم آن د و شعر دیگر ہی
 ”گرچہ زاید باشد از حیثیتش نام خدا
 ”ہم بغور و فکر بسیارے ز تعذیر جواب
 لفظ ’حیثیت‘ بجائے ’علم‘ میخواند ساد
 خوہش مضامین آوردہ در شعر دوم لفظ ’جواب‘
 ’دیشخندہ خلق‘ خوہش بستہ است در شعر دیگر
 جائے دیگر باز میگردید کہ این اشباع کاف
 خلدہ می آید مرا بر خورد گیری ہاے او
 ’عین‘ صرع را نمکد و خون شعر خود بریخت
 ’عین‘ را افکندن ارکوری نباشد چہیست این
 پاسخ اشباع ’کاف‘ از قول او روشن بود
 ”غیر ازیں از سستی ترکیب و لغو و حشو و نغز
 ”باقر از شکرانہ این کے توان آمد بروں
 ’چہ‘ و ’کہ‘ چون ہر دو بال اشباع آوردہ خود ہی
 ہم نشست لفظ ’شکرانہ‘ تماشا کردنی است
 سرسری نقووان ازین شعر تو اے باقر گذشت
 ”ہم چوروز روشن است و نیک روشن گشتہ است
 ما و اے خط این لفظ ’سخندان جہاں‘
 لفظ واحد را بجائے جمع آوردن چرا
 آفرین خاتم کلوں بر حسن گفتار سخن
 قطعہ خود را مزین کرد با عنوان نثر
 چہست معلیٰ منعالی اللہ شانہ اے اندرہاں

ہمعیاں باہارے مغموم آن دگر فقرہ بہ بھیں
 بلکہ پیداے شاعران یکوہ کہ شاگرد و شہید
 "عرفیہ و قتش بگویم گر بمطلب وارد سد
 فاعل فعل 'رسد' یا ظاہر آمد پس کدام
 باز ربط ہر دو مصرع از رے ترکیب چہست
 بوالعجب ہا ساندہ ام بالفظ 'ہا' باشد عجیب
 د و عجب ما ملدہ ام یا بوالعجب ملدم ہمیں
 لفظ 'حاشا' یا الف بفوشمت و خواندہ بے الف
 بشنو و فرما خطاب و فعل غایب کردہ است
 باز در تقریر معنی کلام اوستاد
 دید چون غالب تقاریظ کتاب لا جواب
 'غازیاں ہمداد خود آورد از بہر جہاد
 یاد خواہد بود یاران پوش ازین در پا سخش
 دوستان دواحمدی غازی و دیگران جہاد
 'جنگ غازی' با کہ باشد در جہان داند خلق
 لیک شرح این سخن شاکر ا و گوید چلیں
 نہک سلجہد اے سخن سلیمان معنی آشنا
 ہرزہ گوئی این چلیں گہا است و آنکہ نام آن
 در حقیقت پا سخ دندان او را خود شکست

ہر سخن ایراد تاکے اے فدا آخر ترا

ایں نہ بس باشد کہ سو زں شعرا نشا کردہ است

قطعه بجواب قطعه 'فدا' از فکر والا تمه جذاب سید مصمد باقر علی صاحب

تلذذ حضرت غالب مد ظله -

مولوی عبدالصمد یعنی فدای ننگه سنج در جواب قطعه ما قطعه انشا کرده است
 و چه خورش قطعه که قطعات جواهرها نثار آسمان بر نظمیں از عقد ثریا کرده است
 مرحبا صد مرحبا خمزد ز قهر انوری آفریں صد آفریں روح شفیعا کرده است
 بسکه از حرف حرفش میچکد آب حیات ناظرین را غیور خضر و مسیحا کرده است
 کشور بلکالہ و نا زد بخود نام فدا باب علم و فضل بر روی جهان را کرده است
 بلبل شهر از باشد شاعر بلکالوی کان سفال الهند را خاک مصلی کرده است
 جوهر علم و ادب را بهر شهرت داده عرض از گروه شاعران باشد تهنا کرده است
 آفریں بر دقت طبع رسایش آفریں و چه ایراد بر اشعار املا کرده است
 داد از هر اعترافی داد خورش فهمی چه خورش گلج مخفی معانی آشکارا کرده است
 می سراید نغمه دل کش بآهنگ عجب می باید دل ز کف کار کجا کرده است
 می کند تردید قول ما با ایراد سخیف اتعاع رسم استاد خود آفا کرده است
 او ز نا فهمی جواب حضرت غالب نوشت یعنی از هذیان ترا دید آنچه انشا کرده است
 کرد رد قاطع برهان بزمش گوئیا کعبه را بشکسته تعبیر کلوسا کرده است
 دین بعزم جنگ ما اینک مہمان جان به بست سرزهر سو خنجر و تیغ و سنانها کرده است
 لنگ لنگان جلوه گر شد بر سر مہمان دزم غیور طبع که دارد این تقاضا کرده است
 شرح پردازم جواب اعترافش حالها کز د فکر رسا در خاطرش جا کرده است
 این نوای خارج آهنگش بگوش دل شنو که بتقریر عجب ایراد بیجا کرده است
 "ہاں سخلدانان خوش اضراب و ترقی بانگریز اندرین شعریکہ کلک 'باقر' املا کرده است"
 نسبت روبہ بشیر از نسبت اول قوی در معنی نسبت ظاہر شک چه اینجا کرده است
 لفظ 'جہتہ' چرا باشد مرادف 'علم' را معترض ہیں طرفہ استلزام پیدا کرده است

بعضہود مفہوم 'حیثیت' بود اسلوب و وضع زاید از اسلوب خود یعنی کہ آفا کردہ است
 میتوان دانست باشد زان نمط لفظ جواب کہ اضافت را لزومانہ تقاضا کردہ است
 گاہ مذکور است و گہ محذوف جزو ثانیہش نیک داند مرکب رسم قوم احصا کردہ است
 مولوی جامی * کہ باد رحمت حقیق نشان اندرین مصراع حذف چرا و آخری کردہ است
 چیست دانی مطلبش یعنی جواب صد سلام اقتضا شان محل تقدیر آنرا کردہ است
 همچنان مفہوم شعر ماست از لفظ 'جواب' حذف لفظ قطعہ را اینجا تقاضا کردہ است
 مصرع ثانی بود تفسیر آن تقدیر و بس وای نا فہمی عجب ایراد بھجا کردہ است
 خلد خلدان آنکہ می آید بسوی 'ریشخلد' ناچہ شکے در آل و آلہ او جا کردہ است
 چون بتقریر جوابش خامہ بکشاید زبان معترض منشاے شک خود چو اخفا کردہ است
 ہاں تردد باشدش در ہاے زاید غالباً آنکہ کلک کاتبش از سہواً ملامت کردہ است
 در جواب قطعہ 'جوہر' جواب ہون را خامہ معنی نگارم آشکارا کردہ است
 و آنکہ کافم را نظیر کاف باشجاع خود از رہ چہل و کمال سادگیہا کردہ است
 'کاف' صدر و 'کاف' اوسط مختلف باشد بتکم بہن دوازیں گر خدایت چشم بھنا کردہ است
 دیدہ عبرت کشاں بنگو این اشعار را کز پیئے جمع دل تو کلمہ املا کردہ است
 گر کلم قطع نظر زین 'کاف' لفظ 'کار' تو آنکہ بعد 'کاف' در شعر تو ماوا کردہ است
 ہاں بفرمائی خدا را کز برائے کار چیست گر تقاضا نہ در شعر تو پیدا کردہ است
 دعوی نہ کنونیہی و آنکہ بہ ہون 'تہلیل' را در نخستین قطعہ خود آنکہ املا کردہ است

کہ صد سلام ز مابین یکے جواب از تو
 کہ فیارے ہیں از خاک مصلہ بطفند
 کہ ز خاکش نتوان باہبہ تنگی پر کرد
 کہ پھر نفس لب از خطا مصئون
 کہ ہما میرسد زمان وصال
 کہ برہیم در این واقعہ را ساختہ باز

* 'جامی علیہ الرحمۃ' بہر سلام مکن رنجہ در جواب آپ
 † "حزین" :- دارم از فانیہ ساین صبا چشم حزین
 "حزین" :- کاش آں بود چشم لیثمان جہاں
 ہمدردی :- تکتہ داس شاد عادل ابراہیم
 حافظ :- غرض خبر باہی اے نسیم شمال
 مرثی :- خواب را شب ہما شب دیدہ پیامی بردم

ہاں بگو تبطیل کے اندر لغت باشد صحیح جاے ابطالش رقم کلکش چہ بیجا کردہ است
 وآنکہ بر 'شکرانہ' * دارد از سر چہل اعتراض فکر در قبول سخن سنجان مگر ناکردہ است
 گو بلفظ 'شکر' داخل گشت حرف نسبتی قبضہ در معانی بگو نادان چہ پیدا کردہ است
 بہی کلام حضرت حافظ کہ چون فرمودہ است اندرین شعریکہ اندر حاشیہ جا کردہ است
 ہست 'اے نادان بدان لفظ 'سکدادان' اسم جلس کا اقتضای واحد و جمع و مثلثی کردہ است
 چون سوے لفظ جہان و خواہ عالم شد مضاف معنی در حکم استغراق پیدا کردہ است
 'وآنمودن' راجعہ خورش گشتا جواب یا صواب یعنی غہراز ترحمہ دیگر چہ انشا کردہ است
 فاعل فعل 'رسد' کم کردہ در قول 'سخن' جستجو ہر چند ہر جانب چو اعمیٰ کردہ است
 فاعل فعل 'رسد' باشد ضمیر حرف سہی آنکہ واما قبل کلک شعر املا کردہ است
 وآنکہ 'ہاخواند' است بعد 'بوالعجب' درجائے ما' بہتزد اورا مگر ہیجان سوزا کردہ است
 اعتراضے میکنی نادان بقسم و کسرۃ آخر از دست خودش قابل نہ املا کردہ است
 با حشیشے می در آویژد فریق جاں بلب آرمے آرمے فوط چہلش خوار و رسوا کردہ است
 می سراید طوفہ شعرے دلفریبے کان چہا دقت طبع روانش آشکارا کردہ است
 "بشدو و فرما خطاب فعل غایب کردہ است جمع ہیں ہر دو بیک شعر از چہ آیا کردہ است"
 لفظ 'غایب' یا خبر باشد زلفظ فعل تو پس چہ فعل است آن کہ غائب قبیل آنرا کردہ است
 یا صفت باشد برایش پس چہ باشد معنیش گفتگوے طرفہ بار مز معما کردہ است
 حالیا بشدو جواب اعتراض خریشتن کز جہالت خطرہ اندر خاطرت جا کردہ است
 فاعل اندر مصرع ثانی بود آغائے تو ہم ضمیر یا سفش راجع باغا کردہ است
 در خطاب 'بشدو و فرما' مخاطب شد 'فدا' خاتمہ ما کردہ تسکین تو یا نا کردہ است
 ہست ایرادت بنعلش ہاں عجب فعل شلوع حق بدست تست با تو خواجہ ما کردہ است
 می سراید مصرعے با صد فصاحت معترض "دوستان بھلند کایں ہندی تماشا کردہ است

ہلکے ہم از ہن فرمود و بجا فرمودہ است ہاں مگر خود را حریقہ اصفہاں زاکرہ است
 کردہ زین قطع نظر لفظ 'نماشا' بلگرید گاندہیں مصراع او معنی چہ پید اکرہ است
 دیدن و رفتن با استعمال فرس و تازی است تا ایں ہر دو چہ معنی فریش جا کردہ است
 لیک در مصرع نمی باشد یکے ہم منطبق از برائے قافیہ شاید کہ املا کردہ است
 شاعر شیریں زبان ما بفرماید چلہیں "ایں نہ بس باشد کہ موزوں شعرا نشانہ کردہ است"
 من بلا گردان موزونی طبع ناز کش شعر را موزوں صفت کردو چہ آیا کردہ است
 ایں نمی داند کہ موزوں داخل جدوی است از حقیقت و صفت آن کردو چہ بجا کردہ است
 سرمہ بپاش کشم در دیدۂ عبدالصمد ایں دل شہدائے ما با قوتما کردہ است
 لیک روشن کے توان شد دیدۂ اعماے وے چون خدایش کو مادر زاد پیدا کردہ است
 نرم کردن متہوان آہن بہ آہن فی المثل خامۂ ماہم بانداز وے املا کردہ است
 سخت گوئی را نباشد پیدستی زین طرف
 او چو بدگفت است آخر خود ہم اصفا کردہ است

قطعه دوم بجواب قطعۂ عبدالصمد فدا از نتائج افکار جناب سود
 فقرا الدین حسین دہلوی سخن تخلص تلمیذ و تہرۂ حضرت جناب
 نجم الدولہ دہرا الملک نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ غالب
 تخلص اعلیٰ اللہ العالی در جاتہ ما دامت السموات والا رہیں
 مولوی عبدالصمد شاگرد آغا قطعۂ در جواب قطعۂ ما باز انشا کردہ است
 از جہالت بر کلام معترض شد جا بجا جاو بجا لفظ نادانستہ املا کردہ است
 مصرعہ اول زہر و ثانیہ شہیق نامشخص چون سنہاں شور و غوغا کردہ است
 من جواب اعتراض مہلویسم سر بسر بہتہ از راہ نادانی چہ ایما کردہ است
 معترض گردید و ہم نہ کہو خورد ہم صرف کرد خوردہ گیری ایں چلہیں از راہ سودا کردہ است

گاهش گرجائے اعلیٰ اللہ تعالیٰ اللہ نوشت معترض بهصرفه این ایراد بوما کرده است
 مدعی آنرا بعدوان نخستین بگوید تاچسان اینجمله را کلک من انشا کرده است
 پیش ازین در قطعہ اول بسدح اوستاد کلک حق اندیش من این شعرا املا کرده است
 معرفی وقتش بگویم گر بطلب وارد خامہ جاد و طرازش آنچه انشا کرده است
 بهذا طبع رسائے شاعر معجز بهان اعتراض جہل او را آشکارا کرده است
 مطلب شعرم بفہم اونه آمد مطلقاً میگذد تحریر کاین از راه سودا کرده است
 چون ندارد قوت فہم سخن از فوط جہل با سخلدانان چرا این جنگ برپا کرده است
 مہکم تغریح آن اکلون شدین بایدش لطف آن را خامہ من آشکارا کرده است
 بر مطالب وارد شدن فعل باشد بالحقین فاعل آن فعل اینجا مرکبے را کرده است
 'یوالعجب ما مانده ام' اول نگارش کرده ام شاید آنرا گاتوش از سہوا نسا کرده است
 'بہلو و فرسا' ز تو وز کرده شد آفا مراد فعل غایب بہر آن کلک من انشا کرد است
 مدعی در قطعہ اول چو از رشک و حسد بہر اوستاد من این تحریر بہجا کرده است
 'درستان احمدی غازی و پیکادش جہاد حق بدست کیست ظاہر در معما کرده است'
 یاد باد آن رمز اے یاران معنی آشنا خامہ من پاسخش ایگونہ املا کرده است
 'اے فداچن از مذاق شاعران آگہ نہ توچہ دانی حضرت غالب چہ انشا کرده است
 گوہماں مفہوم تو شد از جہاد و غازیان در ہمیں مضمون کفر اندر دلت جا کرده است
 بشو از من بہخبر این پاسخ دندان شکن ہمت مردانہ من این تقاضا کرده است
 'غازیان دارند با غالب تو لا در سخن کافر آن باشد کہ از غائب تہرا کرده است
 پاسخ دندان شکن دندان او را چن شکست در جواب پاسخ این شعر املا کرده است
 "ہرزہ گوئی این چہنم کرده است و آنکہ نام آن پاسخ دندان شکن یارب چہ زیبا کرده است"
 خوش جواب پاسخ من داد از فوط فہم جہل نادانی خود نیکو ہریدا کرده است
 مرلوی باقر علی علامہ عہد خود است و اے ہرزہ کو باولم در سخن وا کرده است

معترض شد ہر کلام آن معانی آنریں کو بسے شاگرد مثل او و آغا کردہ است
 با چہ خرمی ترکیب نظم دلکش و شعر نغز کلک آن والا حشم نہیں پیش انہا کردہ است
 ”صعوبہ با شہباز گرم رزم شد نے نے غلط دروہے با شہر جنگ فتنہ آرا کردہ است“
 صعوبہ اول گفت و رویہ باز آغا را نوشت میں ترقی بہر استکان تو زیبا کردہ است
 لفظ ’حیثیت‘ براے وضع و اسلوب آمدہ نے بجائے علم مفہوم من املا کردہ است
 چون سروکارے تعلیم آغانہ دارن زیں ”جب لفظ حیثیت“ بجائے ’علم‘ املا کرے است
 پاسخ اشباع کاف صدر مہدارن سلد ہیں دواوین گرترا در دل شکے چاکر کردہ است
 لیک ایں اشباع از تو نیز میخواستہ سلد ”کرمجیب و معترض کہ کاربہجا کردہ است“
 ماورائے ’کاف‘ ایں پیکار ’لفظ کار‘ تو دقت طبع رساے تو ہویدا کردہ است
 چون مضامین آمد ’سفندار‘ ’باجہاں‘ پس تہجہ چیس کر دران معنی استفراق پیدا کردہ است
 اے فدای چشم ظاہر بھیں اگر باشد چہ سود کور باطن چون ترا یزد تعالیٰ کردہ است
 بارفود شوق مہخواستہ نم کلبوں مدحش کہ او پارسی بالہجہ بنگالہ انشا کردہ است
 شعر اول در کلام او تماشا کردنی هست من ذراے او چسان تقریر زیبا کردہ است
 ”مولوی باقر علی باقر تخلص قطعہ در جواب قطعہ ایں بندہ انشا کردہ است
 لفظ ”ایں بندہ“ چہ غرض بستہ است در شعر خودش لہجہ بنگالہ را ٹیکو ہویدا کردہ است
 لفظ ’ہن بندہ‘ بقم ’با‘ چو دارد بر زبان ہمچنان در نظم زیبائے خود املا کردہ است
 بھگرد اندر لغت دشنام کردن نامدہ کہست آن خواجہ حسن کو جائیز آنرا کردہ است
 معنی سروا نمودن ’بہر مطاع گفت خوش پاسخ آن باز کردن وہ چہ انشا کردہ است
 در جواب خود مع التکرار لفظ بانوشت در خطاب مولوی باقر چہ ایما کردہ است
 ”زان‘ فصاحتہاے اور انہم سخن در چند شعر“ ایں چنیں جائے دگر در قطعہ املا کردہ است
 لفظ ’زان‘ در مصرعش بہکار و مہمل اوقات از فصاحتہا چرا ایلجا نہ انہا کردہ است
 باز گوید من کلم تحسین ہر باقر کہ او ”فتنہ از جوش فصاحتہاے خود‘ کردہ است“

دفتر از جوش فصاحت و اندرون پر غریب اندرین فک اضافت از چہ آیا کردہ است
 گر نکلتے ایس چنوں پس شعر اوردے فصیح دفتر جوش فصاحت ہاے خود را کردہ است
 معترض در نظم زیباے خود ایس یک شعر نغز با فصاحت از رہ ایراد املا کردہ است
 لفظ واحد را بجائے جمع آوردن چرا ایس چنوں جا ہا چہ نقطے را تقاضا کردہ است
 در کلام مدعی ایس جا تباین بلکرید بہر جا ہا لفظ واحد را چہ املا کردہ است
 یک بیک تبطیل و موزوں شعر و لفظ کو کند آں دگر فقرہ کہ ایس ہادی تماشا کردہ است
 غور ازین ہم اے سخن سنجان تماشا کردنی ست مدعی ہر آنچہ در نظام خود انشا کردہ است
 خامہ جاد و طراز شاعر یکتا 'امیر' آنکہ در اقلیم معنی دار دریا کردہ است
 لڑ رہ انصاف یا الفاظ نہکو قطعہ در ثلای ساکن بلکالہ انشا کردہ است

پاسخ ایراد من اکلون نباشد از فدا

اے سخن ہر آنچہ بروے خامہ ما کردہ است

قطعہ من نتائج طبع دبیر بے نظیر ملشی محمد امیر صاحب

متخلص بہ 'امیر' رئیس لکھنؤ سلمہ الہ تعالیٰ

و ارتقاء علی مدارج الاعلیٰ کہ ز اودہ اخبار نقل نمودہ شد

بلہ تعلیٰ مضمون لکھ ہیں چند اشعار یہاں مبالغہ شاعری نہیں درکار
 عجب وقائع جہت فزائے عالم ہے سبوں پسند کریں مالک اودہ اخبار
 ہوا ہے مستعد جنگ نظم بلکالی ہوتی ہے غالب و مغلوب میں عجب پیکار
 جواب ان کا لکھا پارسا قیامت کی کہاں یہ سنگ رخام و کہاں در شہوار
 یہ کھانے والے ہیں دن رات سستی مچھلی کے عفونت ان کی زبان سے نہیں گئی زہار
 خرابی ان سے ہوئی اردوے معلیٰ کی چلم کر کہتے ہیں یہ کولکی خدا کی سار
 نہاۃ قلب کا مضمون سہرے سلہت کی پناہ دے نہ اے تہنغ حیدر کرار

سہاوی زادہ کا اوس نے جواب خوب لکھا کہ میرا دادا تھا نادر کی فوج کا سالار کسی کے جد کو بلائے جو کوئی اپنا جد کبھی دروغ کو ہوتا نہیں فروغ اے بیار وہ اپنے جد کا بتائیں خطاب سرداری مہان گلچنہ تھے کون نادری اسوار بغیر نام و نشان کس طرح یقین آوے خلاف محض یہ جد جدید کا اظہار یہ ارن کے اب جد فاسد کی بگڑی ہے ابجد بلائیں وہ کوئی نام اس مقام پر زردار اسی طرح سے کلام ان کا سب ہے مصنوعی دروغ نظم سے کہیں کر نہ ہو جہاں بھوار دم کیا ہے جو ہر جاکے جا یہ اب جا جا یہ جا جا کون مرض کی دوا ہے اے بھوار صحیح فارسی میں ہم نے مانا ہے جا جا فصاحت اوس کی تکلم میں ہے بہت دشوار زبان بریدہ بکنچے نشستہ صم و بکم خموش دھنا ہے ارن کے لیے یہ ازگفتار خدا گواہ کہ اب عافیت اسی میں ہے وگر نہ ارن کے لیے ہوگا مصعکہ بشار امیر نے وہ کم کردہ کو ہدایت کی اونہیں یہ چاہیے اس بات کے ہوں شکر گزار سہو بھان اسد اللہ خان غالب کا زمانہ ارن کے حسب اور نسب سے واقف کار خطاب یافتہ ہیں وہ رئیس دہلی کے زمیں سے تا بہ فلک حسن خاندان اظہار وہ اپنے عصر کے خاقانی و نظیری ہیں نظیر ارن کا جہاں میں کہیں نہیں زنہار سخن کی داد ملے زندہ ہو جو فردوسی کلام ارن کا وہ نام خدا ہے باغ و بہار وہ نظم حضرت غالب جہاں میں غالب ہے انہیں کے قول پر آفاق کا ہے دار و مدار اساتذہ میں یہاں ناسخ جہاں منسوخ انہیں سے طالب اصلاح شاعران دیار زمانہ ہم کو بھی کہتا ہے منصف الدولہ فہیم شعر ہیں البتہ شاعری دشوار لکھا ہے ہم نے بھی ایک مختصر جہاں آشوب کہے ہیں اوس میں قلمبند ہفت صد اشعار

جو سرگذشت کہیں کی نئی سلی لکھی

لکھا امیر نے یہ واقعہ بھی آخر کار

تمام شد

بسم الله الرحمن الرحيم

جواب تحریر مہر آغا علی صاحب شمس لکھنوی مطبوعہ اودہ اخبار مورخہ ۲۵ ماہ جون سنہ ۱۸۶۷ عیسوی معہ جواب اعتراض از نتائج طبع بلذ آسان پھوند شاعر نے نظیر دیہر جاد و تحریر جناب سید فخر الدین دہلوی سخن تخلص تلمیذ و نبھرت حضرت شہاشاہ اقلہم معانی مہر سہر سخندان جناب نجم الدولہ دیہر الملک نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ غالب تخلص اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہ۔

الحمد لله الذي نور قلوبنا بِنور الايمان - والصلوة والسلام على افضل رسل محمد نزل عليه القرآن وعلى آله المطهرة واصحابه البررة الاتقياء معدن الجود والاحسان -

اما بعد ارباب فضل پر مخفی نہ رہے کہ انسان کو براہ تعالیٰ بے ضرورت اظہار اچے حسب و نسب کا اپنی زبان سے زیبا نہیں تحریر میں اپنی علمیت کا اعلان اور براہ تعصب کسی کے مذہب پر طعن ہو کر روا نہیں۔ بقول شخصہ ”مشک آنست کہ خود بپید نہ کہ عطار گوید“۔ مگر چونکہ پہلے مہار شمس کی جانب سے ہدایت ہوئی اس لیے اس کے جواب کی منجھہ کو بھی توفیق اور ہدایت ہوئی۔ ان کو اگر اہل دہلی پر اعتراض اور اپنی ہمت دانی کا غرور ہے تو ادھر بھی جواب شافی دے کر آگاہ کرنا ضرور ہے۔

سلیسہ جناب آغا علی صاحب کہ نام مہار سید فخر الدین حسین تخلص

مہرا سخن - دہلی مہرا مولد - لکھنؤ مہرا مسکن - حضرت خواجہ قطب الدین
 صودرد چشتی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں اہل سنت و جماعت 'چشتیہ'
 طریقہ 'سلسلہ' قادریہ میں بیعت مذهب حنفی حضرت غالب مدظلہ
 العالی کا نواسا اور شاگرد ہوں۔ شمس اور قمر مہرے بھی دو تلمیذ رشید
 ہیں ان کا استاد ہوں اگر آپ نے علم صرف و نحو اور فارسی کا قاضی مصد
 صادق خاں اختر سے پڑھا تو میں نے بھی علم عربی کا حافظ عبدالرحمن
 مغفور اور مولوی محمد علی صاحب دہلوی سے حاصل کیا۔ اگر آپ شاعر
 اور منشی ہیں تو میں بھی اس فن میں کامل اور خوش بہان ہوں۔
 آپ نے چند غزلیں کہی ہوں گی میں صاحب دیوان ہوں اگر آپ کو
 ریاضی اور تاریخ کوئی میں دخل ہے تو میں بھی جانتا ہوں آپ کو
 کب مانتا ہوں آپ کو انہیں چند علوم میں وقوف حاصل ہے مجھے کو
 آپ سے زیادہ علم فقہ اور تفسیر اور حدیث میں استعداد کامل ہے آپ اگر
 بے نظیر ہیں تو میں بہت دیر ہوں۔ آپ اگر لکھنؤ میں خوش باش ہیں
 تو میں رکھل ہوں آپ کو اگر اپنی زبان دانی کا دعویٰ ہے تو ایسی
 زبان دہلی کے عوام الناس بولتے ہیں لکھنؤ کے فصیحوں کا دم بلند کرتے ہیں
 وہاں کے شعرا پر ازراہ اعتراض زبان کہتے ہیں 'لکھنؤ' کے الفصح الفضل
 مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور تخلص نے کتاب فسانۃ عجائب تالیف
 کی میں نے سرور سخن ان کے جواب میں تصنیف کی وہ بطبع محدود
 جہان شفیق و مکرم مخدوم و معظم جناب منشی نولکشور صاحب کے چھپ
 گئی بغور تامل ملاحظہ کیجئے انصاف کو ہاتھ سے نہ دیجئے۔ 'آپ' نے
 اپنے بزرگوں سے سنا ہوگا کہ مہرے اجداد اسجاد حضرت سید شاہ خواجہ
 جسنی اور خواجہ حسن ارد شاہ قطب اعظم قدس اسرار ہم نے حسب

خواہش و اصرار نواب آصف الدولہ مرحوم لکھنؤ میں سکونت اختیار فرمائی باوجودیکہ اختلاف مذہب تھا اور روز مرہ کی ملاقات تھی مگر مذہب کی گفتگو کبھی کسی کے زبان پر نہ آئی - 'دہلی میں تو آپ کے مذہب کے لوگ خال خال تھے مگر لکھنؤ میں اکثر فارغ البال تھے دستم نگر معصود نگر فرنگی محل یہ دو تہیں محلے لکھنؤ کے اہل سنت و جماعت سے آباد تھے زمانہ سلطنت میں بھی کوئی ہم لوگوں سے آنکھ نہ ملا سکتا تھا سب مطہر و ملقاہ تھے اب کہ سرکار ملکہ معظمہ دام اقبالہا کی عملداری ہے قانون تعزیرات ہند جاری ہے باوجود اس کے آپ نے بڑی جرأت کو کام فرمایا کہ آپ نے اپنی تحریر میں اہل سنت و جماعت پر مذہبی طعن کیا دفعہ تعزیرات ہند کا مطلق خیال نہ آیا ابھی جو کوئی بوسر پر خاش آئے تو حضرت قافیہ تلگ ہو جائے - طرفہ تریہ کہ صاحب صحیفہ اکمل الاخبار کے جواب میں آپ نے بہت زور شور کی تحریر سے اس بھچارے پر ایک جرم قائم کیا اور یہ نہ سمجھے کہ اس تحریر سے وہ جرم آپ پر عاید ہوا - 'یعنی' پہلے تو آپ نے حضرت محل مادر برجس قدر کی سرداری سے انکار کیا پھر علی الرغم صاحب صحیفہ اکمل الاخبار بتکرار اس کی اورنگ نشینی سے انکار کیا اور حکومت اس باغیہ کی مثل حکومت سرکار ملکہ معظمہ دام اقبالہا کے سمجھی - 'دوسری تقریر کا آپ کے خلاصہ یہ ہے کہ شاہ دہلی کے جو خراج ہونے کا خیال ہے اس کا سخت ملال ہے - اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو بھی بیگم باغیہ کے خارج ہونے کا بہت الم ہے 'انتہا' کا غم ہے - کہ آپ کے نواب کسی زمانے میں جس کے نمک خوار تھے اس کو اچھے مقابلے میں حضرت مٹھا پیوس بٹایا صاحب اخبار کو جہاں کے یہ فقرہ سنایا تھا 'آپ کی' طرز تحریر سے آپ

کے دل کا مطلب خوب سمجھ مگر ہم اس کے اظہار کو اس مقام میں
 محبوب سمجھ - 'آپ کے' استاد قاضی محمد صادق خاں اختو کو اور
 تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا مگر اتنا کہوں گا کہ وہ اہل زبان نہیں
 کلام ان کا مشہور جہاں نہیں 'شیخ' مہدی علی خاں زکی اور دوسرے
 لالہ جن اشکی جن کو آپ نے ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز فرمائے اپنا
 استاد قرار دیا ہے ان کو تو سوائے آپ کے اور کوئی بھی نہیں جانتا
 وہ ہیں تو کیا ہیں جنہیں کوئی نہیں پہچانتا - اور 'کیوں صاحب وہیں
 کے کہاتے ہو دہلی اور ساکنان دہلی پر منہ آتے ہو پھر دہلی کے نہیں
 تو لکھنؤ کے ہو تانقد کے ہو یا سگو کے ہو - 'اگر لکھنؤ' کی تمہارے پاس
 سند ہے تو سنو لکھنؤ اور کوفہ متعدد ہے کوئی بیرونی مثل مشہور ہے لکھنؤ
 کا اچے ٹکٹیں کہو تو یہ تمہاری دانشمندی سے دور ہے - 'خیر تم' کہیں کے
 کے ہو اس سے کچھ مطلب نہیں مگر ہم تو دھلے والے شاہ جہاں آباد کے
 ہیں اور شاکر دہلی سے استاد کے ہیں جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو جن کے
 کہاتے ہو شرم نہیں آتی اسد اللہ خان غالب سے لڑتے ہو ان پر منہ آتے
 ہو - 'حدا کی' قدرت شاہ جہاں آباد اور تمہاری تور جنا کا نشانہ مورخ
 ہونے کا دعویٰ اور اس قدر تجاہل عارفانہ 'اب' اگر چہ ہوا ہے تو ابعدا
 سے چلیے - 'دہلی' میں اردو زبان کی بنیاد ہوئی وہیں سے یہ ایجاد ہوئی
 'دہلی' میں صدھا اولیائے کرام اور بزرگان دین مدفون ہیں جن کے اب
 تک تعرف ہو جاتے ہیں - 'لکھنؤ' میں سوائے شاہ مہنا صاحب کے اور بھی
 کوئی حضرت نظر آتے ہیں - 'دہلی' میں علما ایسے ہوئے کہ جن پر آپ
 کے معتمدوں نے خار کھایا ہندوستان میں ثانی ان کا نظر نہ آیا -
 دہلی' میں ایسا زبردست شاعر ہوا جس کو آپ کے ناسخ و فہرہ سب

میانے تھے ایسا استاد جانتے تھے اس میں اہل لکھنؤ کو کس طرح گنجائش
تقریر نہیں کیونکہ خود کہہ گھا ہے۔

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
اور میرے استاد جلتا ہندوستان سے ایران تک نظیر نہیں ان کو
تو بھلا کب مانو گے زیادہ کہوں گا تو دشمن جانو گے سچ کہتا ہوں جو تمہاری
تقریر دیکھتا ہے لاجول پڑھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یاروے۔

میلڈکی کو بھی لو زکام ہوا
یہ جو مثل مشہور ہے وہ اس جگہ صادق آئی قدرت حق کا ظہور
ہے جن کا ہلکے میں آج تک کوئی نہ مقابل ہوا آپ کا کلام مہاں شمس
کے اعتراض کے قابل ہوا اور وہ بھی کون مہاں شمس کون زہرہ اور مشتری
دو رنگیوں کے استاد۔ جن کا کلام سوائے ایک ہزل کے کسی نے سنا نہیں
فارسی کہی اردو کا دیوان بھی کسی نے دیکھا نہیں پس اگر شاعری کا
دعویٰ ہے تو کوئی کلیات فارسی کوئی دیوان اردو تین ہی جڑو کا چھپواؤ
ذرا ہم کو دکھاؤ پھر مناظرہ کا مزہ دیکھو اور اگر یوں ہیں اندھا
دھند نہتے لوگوں کو ملنے کے پل گر پڑو گے زک اٹھاؤ گے جاہلوں میں شمار کیے
جاؤ گے۔ سکھائے دھلی کی وضع پر ہنستے ہو پھبتیاں کہتے ہو آوازے کستے
ہو معلوم ہوا کسی بانکے جوان والے نے تمہارے کان کا میل نکالا جو اہل
دھلی کو کان مہلیا بلایا سلائی ذرا گہری چھوٹی جو ایسا کلمہ زبان پر
آیا۔ دوسروں کی پگڑی کیا تکتے ہو پہلے اپنی توپی تو سلہالو تم پہلے
کہہ چکے تو اب ہم سے سہو کہ لکھنؤ کے خواص و عوام وضع و شریف ادنیٰ
اور اعلیٰ ہندو مسلمان شیعہ سید مقل پتھان اکثر دارہی ملدواتے ہیں
پتھان جائو زنانی ادراک معلوم ہوتے ہیں سب اسرد نظر آتے ہیں کہتے

ہو کہ دلی والوں کو پکڑنے کی عادت ہے میں کہتا ہوں لکھنؤ والوں میں یہاں تک ہے یاد رکھو جو گومتی میں نہایا اوسلے ماہوں کا لقب ضرور پایا اب تم ہی انصاف سے کہو کہ گومتی کہاں ہے ہم تو جملنا جانتے ہیں دہلی میں یہی دریا رواں ہے —

سختدان جواب است این نہ جنگ است کلونج انداز پایا داسی سلک است اور یوسف مرزا صاحب دہلوی نے جو چوپیتھا کے لفظ پر اعتراض کیا تمہارا جواب یہ ہے کہ چورتھا کی دہل سے چوپیتھا کہنا درست ہے میں کہتا ہوں کہ محلہ کے نام کے لئے یہ کلیہ آپ کا محض غلط اور یہ تقریر نہایت سست ہے - دو گلوں محلہ جو لکھنؤ میں واقع ہے اس کو بحذف نون دو گلوں کہوں نہیں کہتے پنج بھونکا دوسرا محلہ جو ہے اے پنج بھیا کہوں نہیں بولتے - علاوہ اس کے چورتھا علم نہیں ایک چھڑ کی صفت ہے اور الف اس کے آخر میں فاعل کی علامت ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ بات چار رتھوں والا جیسے لکھنوی میں حرف یا علامت فاعل کی ہے یعنی لکھنؤ کا رتھ والا - گویا گانے والا - طبلچی طبلہ بجانے والا - بخلاف اس کے چوپیتھاں کہ نام ایک محلہ کا ہے اس میں نون کا حذف سراسر نا روا ہے آپ لکھتے ہیں کہ قفلی قفلی اور پتھرہ کو پتھرہ مطلب کو مطر نجن نہ جاؤ کو مت جاؤ یہ سب الفاظ مستعمل سکناے دہلی ہیں فقط - ان میں زوریوں کا مہرے پاس کچھ علاج نہیں واللہ ایسا سہل اعتراض کیا ہے کہ مطلق جواب کا محتاج نہیں یعنی اول تو یہ بات محض غلط ہے اور اگر بالفرض تسلیم بھی کی جائے تو پہلے میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ متاوردہ اور روز مہ کی سند شاعروں کے کلام سے ہوتی ہے یا اس کی گرفت صرف بول چال سے ہوا کرتی ہے اگر پہلی

ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ لکھلو کے لوگ تخت کو تخت اور سخت کو سخت اور کمبخت کو کمبخت بھم خاے معصہ اور سبز کو سبز اور سرخ کو سرخ بفتح ثانی اور حاضر صیغہ فاعل کو حاضر بفتح ضاد اور دروازہ کو دروازہ بتشدید زاء معصہ اور بازار اچھا ہے کو بازار اچھی ہے اور فکر کو مذکر کہوں بولتے ہیں اگر بولتے ہیں تو دوسروں پر کہوں لب کہولتے ہیں اپنے بھلت کو چھانا اور دوسروں کی بھلی چٹکی آنکھ میں پھلی بتانا یہ از راہ حد نہیں ہے تو کہا ہے اس کو اعتراض نہیں کہتے اس کا نام سودا ہے - مومن مرحوم کا مصرع -

وہ شمع گرم گرم ہو اگر چلا گیا

اس پر آپ نے از راہ ظرافت اعتراض کیا اور حسن معنی سے اُس کے اعضاء کیا اگر چلا گیا ہے تو گھرائے کہوں - میرے اوستاد کے کلام کو سمجھ نہ سکے - غالب مدظلہ

نقش فریادی ہے کس کی شوخی و تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا مصرعہ آخر پر دو اعتراض مہمل کیے ایک یہ کاغذی پیرہن معادۃ فارسی کا ہے اردو میں اس کا لانا نادر ہے اس کے جواب میں دو شعر آپ کے اوستاد قاضی محمد صادق خاں اختر کے لکھے جاتے ہیں غور کیجیے معہ شرح معرض تحریر میں آتے ہیں - اختر -

وائے بھر حمی کہ تو بزدل دامن گذرا اُس جگہ کہ جہاں عاشق کا تیرے مسکن تھا

اختر -

ہے بزم میں کس کے رخ پر نور کا جلوہ جو شمع کا انگشت تھک رہا ہاں ہے اب فرمائے کہ بزدل دامن اور انگشت تھک رہا ہاں معادۃ فارسی کا ہے یا اردو کا اگر فارسی معادۃ اردو میں ناجائز تھا تو کہوں لکھا - دوسرا

اعتراض آپ یہ فرماتے ہیں کہ ہر کا لفظ تعمیم کے ساتھ یہاں نادرست ہے۔
 میں کہتا ہوں یہ تقریر بھی آپ کی سست ہے۔ تصویر کا اطلاق علی العظم
 کاغذی تصاویر پر ہے نہ سنگی اور گلی بتھوں پر۔ تصویر کھینچنا سب
 شاعروں نے باندھا ہے تصویر بنانا کسی نے نہیں لکھا ہے۔ علاوہ اس کے
 لفظ نقص اور تحریر کا صاف اس بات پر دال ہے کہ پیکر تصویر کاغذی
 اعتماد کا مقصود ہی مائل ہے۔ ماشاء اللہ ابھی تک آپ سے بے اعراب الفاظ
 صحیح نہیں پوچھے جاتے۔ ارقام بالفتح کو ارقام بالکسر پڑھتے ہو لفظ کے
 معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ سلو صاحب ارقام بفتح اول جمع رقم
 کی ہے جیسے اقسام جمع ضم کی ہے سبھان علی خان لکھنوی نے اپنی
 مکتوبات میں اس لفظ کو کئی جگہ لکھا ہے اس کو چاہو بالفتح پڑھو
 یا بالکسر یہ اختیار تمہارا ہے۔ مادہ کے لفظ پر کس قدر نازاں ہو سارا
 دیوان دشمنی کی نظر سے چھان ڈالا ہوئی جستجو سے یہ ایک لفظ نکالا
 معلوم ہوا عربی میں استمداد کم ہے جو الفاظ صحیح پر اس قدر ستم ہے۔
 آپ لکھتے ہیں کہ مادہ بروزن موکل صحیح ہے فقط۔ اعتراض کرنے پر
 جان دیتے ہیں مگر کسی استاد کا اردو یا فارسی شعر نہیں لکھتے نہ کسی
 لغت کا نشان دیتے ہیں دموے بے دھول اور بھجا بحث پر ناحق اس قدر
 کد ہے آپ ناراض ہیں تو ہم سے سنیے کہ مادہ بروزن جارہ صحیح ہے
 اور اصل اس کی مد سے بفتح اول بمعنی کشن آب و آب سیل و افزونی
 آمد و کھدق و در گمراہی فرو گذاشتن و دراز شدن چیزے و مہلت دادن
 و انداختن نظر بسوے چیزے و اصل چیزے 'اسی' دو سے مادہ سد اجداد
 مدید مدد و سواد ان سب کا ساختہ ہی مد ہوا آپ کا اعتراض رد ہوا
 مادہ صنفہ مبالغہ کا ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے اور مادہ بفتح دوم نہیں آیا

ہے اور نہ کسی شاعر نے لکھا ہے۔ میرے کہنے کا یقین نہ ہو تو صراحہ ملاحظہ
 کھیجئے خاطر خاطر کو تسکین دیجیئے۔ اور استاد کا مصرع ناف زمین ہے یہ
 نہ کہ نات غزال ہے اس میں تو صریح کاتب کی غلطی ہے کیونکہ نہ اور
 یہ تجلیس خطی ہے ایک کو اوس نے لکھا دوسرے کو بھول گیا پھر کہتے
 ہو کہ میں نے حضرت غالب کی غزل پر غزل لکھی طبع آزمائی کی والہ فطرب
 کرتے ہو کہ ایسے مہمل اشعار کی داد طلب کرتے ہو معلوم ہوا طبعیت دار
 ہو ذہن کے چالاک ہوشیار ہو چند روز میں سعدی علیہ الرحمہ کی گلستان
 کا جواب کہو گے اور اگر کچھ جی میں آئے گا تو تہوری عبارت عربی کی
 لکھ کے قرآن شریف کے آخر میں لکادو گے۔ اللہ بخشے جناب مولوی
 سید محمد صاحب مجتہد العصر لکھنوی نے انتقال فرمایا مجھے کو نہایت
 عجب ہے کہ آپ کے مذہب کے علما نے آپ کو اپنا مجتہد کہوں نہ بلایا پھر
 اگر آپ کو غزل پر غزل کہنے کا شوق ہے تو میں اپنی دو غزلیں اس کے
 ذیل میں لکھتا ہوں آپ ان غزلوں کے جواب میں دو غزلیں تحریر فرما کے
 میرے پاس بھیج دیجیئے مجھے کو مسنون ملت کھیجئے ناظرین ان غزلوں
 کے مشتاق رہیں گے اگر جواب نہ لکھو گے گا تو خدا جانے کیا کہا کہیں گے۔

غزل سخن دہلوی

یار بھی کرتا ہے تقریر سحاب و آئینہ اے خوشا اقبال و توفیق سحاب و آئینہ
 قطرہ افشاں کا کل شکھیں رخ پر نور پر صاف دکھلاتی ہے تصویر سحاب و آئینہ
 اک نظر دیکھو جو دروں کی طرف اے شاہ حسن معجزے دکھلائے تلویہ سحاب و آئینہ
 میں ہوں عاشق زلف و رخ کا میں سدر نگار است میرے آگے کھیجے تقریر سحاب و آئینہ
 آہ مجھے عاشق کی اور تھری نکاح بے پناہ اے پری بھکاریہ میں تیرے سحاب و آئینہ
 مہر آدنا ان کی حیرت سیر کا ہے یہ مقام دیکھ لو اک جاہے تصویر سحاب و آئینہ

میں اس پر زلف و گھسوار رخسار صنم برق اور جوہر میں زنجیر سحاب و آئینہ
دل میں ہے ہر دم خیال اوس زلف و رخ کا اے سخن
ایک جا کھینچی ہے تصویر سحاب و آئینہ
وہ

نکلا ہے خط یار ہرنگ پر طاؤس ہے ملک حسن بچنگ پر طاؤس
داغوں سے جو یہ غیرت گلزار بنا ہے رکھتا ہے مرا دل سر چنگ پر طاؤس
وہ مرہم زنگار ہے اس زخم جگر پر اور جاے جسے دیکھ کے رنگ پر طاؤس
ہے عشق حسنین کا ہر ایک بات حسنین ہو ہو داغ بھی دل پر تو ہرنگ پر طاؤس
وہ زخمی و مجبور ہیں کھل جانا ہے اکثر ہے پاس بھی دھلا میرے تلک پر طاؤس
یاں آتا ہے جب مجھ کو خط سبز پر پر و

لگتا ہے سخن دل میں خدنگ پر طاؤس

ناظرین پر واضح ہو کہ ضمیمہ اردہ اخبار نمبر ۲۶ مورخہ ۲۵ ماہ سنہ ۱۸۷۶
عیسوی ۱۱ اگست سنہ مذکور کو میرے ملاحظہ میں در آیا۔ میرا آغا علی صاحب
شمس کی تحریر دیکھی دل بہر آیا جیسا لکھا تھا ویسا جواب پایا
تکلم الناس علی قدر عقولہم کی رعایت کی گئی زبان اردو میں تحریر
عبارت کی گئی اب صاحبان مالک کل اخبار خصوصاً صاحب صحیفہ
اکمل الاخبار کی خدمت شریف میں عرض ہے کہ براہ مہربانی اس تحریر
کو درج اخبار فرماویں مجھ کو مملون مدت کریں اور اپنے احسان سے زیر بار
فرماویں اللہ بس باقی ہو۔

راقم فقہر مذنب

سخن دہلوی سنہ ۱۲۸۳
سید فقہر الدین حسن

قطعه تاریخ ولادت فرزند سعادت سید نور چشم عزیز دلها بر اویم
مرزا محمد عسکری اعطاء الله عمره و زاد قدره واد حضرت عمو صاحب
مد ظله چکیده خامه معجز طراز کترین سید فخرالدین حسین دهلوی سطن
تخلص که از هر مصرع قطعه ماده تاریخ مختلف سلین یعنی سنه هجری
وفصلی و عیسوی برسی آید و هم بصلمت توشیح از هر مصرع اگر اعداد
حروف جمع نمایند سنه هجری پیدا شود - خدائے توانا مولود مسعود را پیش
ایوهن بعمو طبعی رساند بجاء محمد وانه الامجد و صلی الله تعالی علی خیر
خلقه محمد وانه واصحابه اجمعین -

قطعه تاریخ

ح	حضرت عمو بگرامی حسب	ی	یافت چو فرزند و قرب صد
۸	سنه ۱۸۶۷ عیسوی	۱۰	سنه ۱۲۸۳ هجری
ه	شکر خدا آنکه بگوید بدل	ن	نعمت کونهن بحق در رسد
۳۰	سنه ۱۲۷۴ فصلی	۵۰	سنه ۱۲۷۴ فصلی
۲	آنکه شده شاد بلا تخطوا	ب	پوش خدا بر همه اعط بود
۱	سنه ۱۲۸۴ هجری	۲	سنه ۱۲۹۴ هجری
م	مژده بفرخ چو بجان و ارسند	م	مثل هوائے که ز گلشن رعد
۴۰	سنه ۱۲۸۳ هجری	۴۰	سنه ۱۲۸۳ هجری
د	دست بفرقان زدیم از بهر فال	۷	هست نظامش ز کلام احد
۳	سنه ۱۲۷۴ فصلی	۵	سنه ۱۸۶۷ عیسوی
ف	فال زه بود نکو باغلی	ی	یعنی بدنوا و جهان بر خورد
۸۰	سنه ۱۲۸۴ هجری	۱۰	سنه ۱۲۸۴ هجری
ب	باعث نور بصری آن صبی	ف	فطر جهان باد بر ب همد
۲	سنه ۱۲۸۴ هجری	۸۰	سنه ۱۲۸۴ هجری

ع خامۂ معجور رقم ای سخن م مصرع تاریخ مہاں مہکند
۹۰۰ ۳۰ سنہ ۱۸۹۷ عیسوی

ب بغداد تو پیش بدر یا رؤف ی یکصد و دس سال بشرف زید
۲ سنہ ۱۲۸۴ ہجری ۱۰ سنہ ۱۲۸۴ ہجری

سنہ ۱۲۸۴ ہجری

والجس ہو کہ مادۂ تاریخ میں اگر ایک عدد کی کمی یا بیشی ہو تو

استادوں نے اس کو جائز دیکھا ہے مگر اس سے زیادہ ہونا نا زیبا ہے —

بسم الله الرحمن الرحيم

جواب تحریر اردو مهر آفا علی صاحب - شمس تخلص - از نتائج
افکار افصح الفصحا و ابلغ البلغا جناب مولوی سہد محمد باقر
علی صاحب - باقر تخلص - تلمذ حضرت ملک الشعرائے ایران
و ہند جناب نواب اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ - غالب
تخلص - مدظل جلالہ —

ہر نکتہ سلجان معنی رس و دقتہ شذا سان پاک نفس مخفی و معتبہ
مہاد و دریں جزو زمان کہ از علم و فضل عموماً رسمے و از فن معنی و بلاغت
خصوصاً نشانے نمائندہ است الا ماشاء اللہ - چنانکہ اعلم علمائے بلاغت و معنی
سعد الدین تفتازانی طاب ثراہ و جعل الجنتہ مثواء در عنوان مختصر
ارشاد فرماید آن ہذا الذی قد نصف الیوم ماعہ فصاد جد الایۃ اثر و ذہب
رواہ فعاد خلفا بلائمر حقی طاروت بقیۃ آثار السلف اوداج الریاح و سالت
باعتاق المایا تک الاحادیث البطاح - پس این زمان کہ علی موالد ہور
والاعصار از آن زمان خلعت وجود در برکشیدہ در کساد سلقہ الففل
والکمال الوق و از مد خواهد بود اکثر کم مایگان قلیل البصاعت و اشعار
و آثار خفاں گردیدہ کہ برا کا بروا عیاں کہ علم و کمال شان مسلم الثبوت
زمان و زمانہاں و فضل و بلاغت آناں مشہور نزدیک و دور جہانہاں باشد
لب اعتراض کشاید و کمال حدت فہم و حذاقت ذہن خود شان را
دوہرئی موام کا لانعام و انماید و مرود لکھن و آفرین شوند صدائے احسنت

و مرحبا از زبان سوتکھاں شلوند و حال آنکہ دامن عظمت و جلال و پیراہن علم و کمال آن حضرت از آلودگی قبیح و نقصان منزہ و سہرا است و گلشن دانش و حدیقہ فصاحت آن عالی منزلتان خالی از خار و خسی شک و اعتراض بود علی وجہ الکمال سوسبز مطرا است و منشائے آن جز ہوائے شہرت و بر آوردن نام در میانہ جہا و عوام دیگر نمی باشد مگر بصورت علما و خواص معاملہ بالعکس میشود کہ فہر از خبیث و کاشت و خدایان بصورت نمی انجامد۔

علامت ہوں کہ ہر سنگے کہ جست از تہشہ فرہاد

ہوا می گردد و ہم بر سرے فرہاد می آید

فاعتبرو یا اولی الالبصار —

تفصیل این اجمال و توضیح این مقال آنکہ در اودہ اخبار نمبر ۲۱ مورخہ ۲۵ ماہ جون سنہ ۱۸۹۷ ع قصہ عبرت خیز و ساجراے وحشت انگیز بمطالعہ در آمد یعنی بے حیثیتے فقید الاستعدادے ہمشہدانیہ کیج میج زبانے ژاژ خاے ہرزہ دراے خود نمائے بہبودہ سرائے بہراہہ خرام دیچور ملت شمس نام مصداق - بالعکس نہلد نام زنگی کافر - زبان طعن و لب اعتراض بر اکمل شعراء ابلع بلغا کشودہ است و عاید دہلی و بانگرام را کہ چشم فلک و گوش ملک دارالطعمے مثل آن در آفاق ندیدہ و شلیدہ زیر خاجر جرح و قدح کشید و از ہدیانات مجنونانہ خود صلحہ قرطاس را بزرگ روے و دل خود سیاہ و تباہ نمودہ است۔۔۔

ہر کہ را خواہد پردہ در

مہلہ اندر طعلہ پاگاہ برد

خصوصاً در شان حضرت اسد اللہ خان غالب کہ غافلہ فصاحت و طلطلہ بلاغت شای از قاف تا قاف رسیدہ بل از کلکۃ عرش برہی بالا کشود

لیکھنے پر پیدہ ۵۱۵ خروج و قمارت ۵۱۵ است -

بزرگ بلکہ اُن سکن بے خود است نف بے خود قلک بروے خود است
 ہر چند بے بیبی است کہ خواب پریشان و اتھیرے مہلات مغلل العواس
 ۴۰ تا ۵۱۵ لیسٹ مگر چون این ذرہ ہے مقدار کہ بالتر علی نام و بالتر
 نعلین دارد از کوفہ چیلان خرمن آن آفتاب عالماب صہر سطلوری
 یعنی حضرت غالب مدظلہ العالی است مصلحت اُن نہید کہ از جوابات
 شافہ اعتراضات این ہر مست بادۃ اعتبار خاموش باہد درک کردن
 این ہڈیاں سرار کہ بد موی معنی پروری بلند نموده است بہ نشتر تقریرات
 ابدار نضراشد ناکزیر بحکم ضرورت از جواب دیگر مٹامن و اعتراضات
 واقعہ ہیں ہے مغز کوفاً لا طلب قطع نظر نموده بجواب ایرادات کہ
 از راہ کوشش ہستی بر حضرت غالب نموده بکمال اختصار پر داختہ آمد
 ناگاہ چہل او از منصف خدا علی روس الاشہاد جلوہ نماید و باللہ التوفیق
 و بیدہ از من التفتیق کردہ -

:- مطلع سر دیوان غالب ...

نقش قربانی ہے کس کی شوخنی تصویر کا

کافذی ہے پھر میں ہر پیکر تصویر کا

یہ شعر خلاصہ ہے خارج ہے حسن معنی کا خارج ہے اس واسطے کہ
 کافذی پھر میں کا مصداقہ فارسی میں جاری ہے (الی آخر مقال) - 'ہر' کا لفظ
 تعمیم کے ساتھ کلی و سلیکی تصویروں کے واسطے واجب ہے - انتہی 'اقول'
 دریں شعر دو اعتراض کردہ اول ہیں کہ پھر میں کافذی مصداقہ فارسیست
 'ہر' اور 'ناجائز' و دیگر ہیں کہ پھر میں کافذی ہر اے تصویر کافذیت نہ
 ہر اے سلیکی و کلی و پھر حالانکہ لفظ 'ہر' ہر اے لفظ است - انتہی

اول از کمال سخاقت و درکاکت مصحک طغیان تواند بود چه ظاهر است کہ اہل اردو را در شاعری اتباع شعرائے فارسیست و اقتباس مضامین از فارسی می کنند و از این جهت است کہ چنان کہ معشوق شعرائے فارسی 'ارماد و نو خسانند مشرق اردو گویان نیز سبزان نو خط اند لهذا باتباع فارسی تعریف خط و خال می کنند پس چون اردو گویان را در انداز سخن تقلید فارسہانست البتہ معاصرۃ فارسی در اردو جائز خواهد بود و لا بالعکس و نظیرہ کثیر —

جواب اعتراض ثانی این کہ فہم کلام بلغارا ملاحظہ قرائین و سہاق و سہاق کلام ہم لازم است - ملاحظہ باد در مصرعہ اول لفظ نقش و تحریر زیب رقم یافته پس بہ قریبۃ سہاق کلام در مصرع ثانی مراد نہ خواهد بود مگر تصویر کاغذی و لفظ 'ہر' در مصرع ثانی برای کل تصویر کاغذی دال برعام مخصوص است - شہخ علی حوین فرماید —
نصہت کردے کرسی شہدے دلبر خود را چرا وقف خرابی کرد ظالم کشور خود را
ظاہر است کہ اگر ملاحظہ معنی لفظ دلبر کے در مصرعہ اولی و اتعست نہ کردہ اید و وقف خرابی کشور از کجا ثابت خواهد شد فافہم و تدبیر —
قوله غالب :- کعبہ مہرے پیچھے ہے کلیسا مہرے آگے

اس مصرع کا خلاصہ سنگھوراں ظریف کے نزدیک یہ خوب ہے کہ تایل اس کا ایک پر غالب ہے دوسرے کا مغلوب ہے —

اقوال معترض کمال ظرافت و ذکاوت و ابتکار برد و چلبیس مضمون لطیف و اعتراض سخیف برآوردہ است فرحبا ثم مرحبا اگر لفظ 'آگے' و 'پیچھے' مستلزم ہمیں معنی است خہالہت شعری معنی ہذا الکریمتہ اُن کان قبضہ قد من قبل فصدات وهو من الکذیبین - وان کان قبضہ قد

من دیو فکذبت وهو من الصدقین - بھلوا تو جرؤا —

توانہ عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ایہی وحشت کارنگ

اس مصرعہ کا مضمون مایوں کے نزدیک خوش اسلوب ہے ساکلاں

دہلی کو دل سے مرغوب ہے —

اقول مضمون میں مصرع مگر معترض راہم خوش آمد - اگر مضمون

مضمون میں لفظ مفہوم خدام ذوی الاحترام بتحسب الف و عادت گردیدہ

پس لفظ 'گر فتن'، را کہ مترادف لفظ معترض علیہ جناب در فارسی است

در شعر 'قتل' کہ اوستاد الاستاد جناب اندچہ محمل خواہد بود

و نقصے از کشکس قتل و پیر دانش را بچہ درو خواہد داد و ہر ہذا - قتل -

با داغ جنوں گردہ ویرانہ نگہرم آرام زسوز دل دیوانہ نگہرم

شاید انچہ از ترجمہ 'لفظ' گرفتن مفہوم معترض است ہماں معلی

مطلوب اوستاد الاستادش ہم بودہ کہ میں قدر از گرفتن ابا و انکار مہکند

وزار نااہل ہا می نماید —

قولہ غالب - ناف * زمیں ہے نہ کہ ناف فزال ہے

اعتراض اعلان نون مہکند —

اقول جواب میں ظاہر است کہ لفظ 'یہ' کہ تجلیس لفظ 'نہ'

است کاتبی مکرر فہمدہ قلم انداز کرد ورتہ معجزو فط از مبتدی ممکن

نہست چہ جا کہ ریٹس الملتہین —

قولہ غالب - دے بدستور صورت ارقام

تمام ہندوستان سے کہتا ہوں کہ ارقام رقم کے معلی میں غلط

و نا روا الی آخرہ —

* غالب مشکیں ٹھاس کعبہ ملی کے قلم سے جان نات زمیں ہے یہ نہ کہ نات فزال ہے

اقول اولیٰ معنی میں فقرہ ارشاد شود کہ "تمام ہندوستان سے کہتا ہوں" چہ معنی دارد بعد ازاں گویا باید کرد کہ 'لفظ ارقام' از بابی افعال فی الواقع نہ آمدہ مگر 'میں لفظ براسلۃ خاص و عام جاریست محکمہ فانی لکھنوی در تصانیف خود یعنی در بارقہ ضمیمہ و مولوی سیدخان علی نظام کلپوہ کہ معقد علیہ معترض است در مکاتیب خود بنام نورالدین لفظ ارقام' را صد جا پیش آورد و در قدمائہ مستعمل - حکیم محمد ارزانی رحمتہ اللہ علیہ در قرابادین قادری در بعضی حیثات لفظ 'ارقام' طرح نگارش دادہ فلہذا الغالب فیہ متفردا و اگر بنفع اول جمع رقم خواندہ شود ہم قبیحہ ندارد -

قولہ غالب - تہ کہوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ

لفظ 'مادہ' حادہ و حارہ کے وزن پر لکھا یعنی میم کے بعد الف متحرک ہے اس کو سکون ساکن باندھا - الی آخر مائتی بالتحقیقات الانہیہ - اقول اعتقاد را قم آثم میں کہ معترض بدین اعتراض بسہار پر خود چیدہ از فرط شادمانی در پیرہن نگنجیدہ باشد - نبض شناسان صحیح الفاظ خدا را علاج خال دماغ میں مضبوط الحواس بغر سائید و بسر وقت میں بہیچارہ رسید کہ چہا ہڈیاں پر زبان می راند - عجب صد عجب کہ معترضی در انتہای کلام خود لواے دعویٰ تمام علوم از صرت و تصور ملطقی و حکمت و ہندسہ و نجوم و ریاضی و ادب و لغت وغیرہ پر افراشتہ و نامی علمائے اعلام را کہ در علم خاص کوس لمن اللہکی تراختہ اند در ہمان علم استناد خود از راہ فخر و مہاہات قرار دادہ با میں ہمہ بلند آہنگی از کوئے تحقیق لغات مشہورہ نابلد محض افتادہ 'مادہ' را پر وزن 'مہوس' و 'موکل' صیغہ منعمول گذتہ - واضح باد کہ لفظ 'مادہ' بمعنی اصل

ہر چیز و سامان ترکیب و زیادت متصلہ بالف ساکن است نہ مفتوح زیرا کہ جمع آن 'مواد' مشدد ہو وزن مفاعل می آید پس باید دانست کہ 'مواد' مواد در اصل مواد و بر وزن مفاعل است 'مواد' 'و موائد' جمع 'مادہ' بعلہر بودن الف ساکن بعد مهم صورت نمی بلند زیرا کہ قاعدہ صوف این است کہ ہر گاہ الف قبل الف جمع مفاعل و مفاعل افتد و اوشود چنانکہ مواد پ جمع ضارب و قراریرہ جمع فارودہ پس ظاہر است کہ اگر 'ماد' 'بفتح الف کہ آن در حقیقت ہمزہ است بوجہ جمع 'آن مَاد' بہمزہ قبل الف آمدن نہ 'مواد' و متوہم نشود کہ درین صورت اجتماع ساکنین ناجائز لازم می آمد زیرا کہ قاعدہ ایست کہ ہر گاہ ساکن اول یاے تصغیر ماید و ساکن ثانی مدغم و ریک کلمہ باشد اجتماع ساکنین جایز باشد چنانکہ در دایہ و خامہ و خریصہ واقع است فافہم و تدبیر و لاتکن من الجاہلین و اعجبنا من هذا القابل کہ بہ ہمیں مبلغ استعداد بر آسمان بلاغت حضرت اسد اللہ خان غالب زبان اعتراض میکشاید —

ہر آن صاحب سخن رحم است صائب کہ دخلش منحصر در دخل بیجا است 'تم الجواب - و ہذا شرع فی بیئہن بعض ہذواتہ تفریقا للقلوب و اظہاراً لبعض العیوب بحدیث ینشط خاطر الناظرین و یہیج اشواق السامعین - فاقول - در جواب سیاح داستان سگ خارشی نقل فرمودہ و انہات یافتن نبی در سایہ عاطفت آن قصہ بازاری و علو مرتبت آن زن بحسن عمل طمام دادن سگ خارشی مذکور نوک ریز خامہ فصاحت بار نمودہ است - ما مہکویم کہ معترض ہم مصداق همان سگ خارشی است کہ خورد را این طرف و آن طرف از برائے علوفہ انداخت و پھر شہر و دیار و کوچہ بازار و برائے وجہ معاشر رفت و کس پارہ نان بل مشتہ استخوان پھش نکذاشت

آخر ملجائے ماوے خود خانہ زہرہ و مشتری زنان بازاری را خاصا
و مصارف اوقات و وظیفہ روزی خود زرمصلعانہ این دولہان شوم
شہین کار نمود و علم اوستادی و اتالیقی این نوچہان نظمی پوہی معرکہ
بہجہائی بواقراشت نمود باللہ من ہذا الفاتحہ آدے —

یہ حباباں ہرچہ خواہی کن

و در معادۃ ذوق ریختن انچہ 'از سہاح' و 'مصلف' سدمی خواہند
و بقہاس اکتفا نہکنند مضمی ندانہ کہ مرزا قتل جابجا در کلام خود
معاورہ نو ترا شہدہ و در جواب اعتراض ثبوت بقہاس نمودہ چنانچہ
دریں شو —

شب ریختہ خونہانکہ یار و سحر ہم بیرون نظر امودہ ازان کوچہ خبر ہم
چون کسے اعتراض کرد کہ 'خرامیدن خبر' خلاف معاورہ اہل زبانست
جواب داد کہ 'لطف' کجا گام دارد کہ حافظ گفتہ است —

ہم مگر لطف شما پیش نہد گامے چلد

پس طوریکہ آن جایز خواہد بود این ہم جایز خواہد بود

و بر اہل خہرت ظاہر است کہ قہاس در معاورہ پیش مہبوز و
لما جواب القتل فہو جواب السہاح و المصلف و در جواب قبح مصرعہ
فانی یعنی آنکہ لفظ 'ہم' بجائے خود نیست ارشاد فرمود کہ گاہے گاراز
تقدیر ہم می برآید چنانکہ دریں شعر —

بہجوم عشق توام مہششد و غوغا نیست تو نہز بر سر بام آکہ خوہی تماشائست
حالانکہ دریں شعر حاجت تقدیر نیست زیرا کہ لفظ غوغا دال
بر ہجوم و ازدحام خلایق موجود قہلہما بودن بعہد - منقول است کہ

کے ہیں شہر مرزا قتیل پھس شخصے از اہل ایران خواند —
 تیغ بگرفتہ و بسن گفت کہ نازم ایست سرخرو کورم و گفتم کہ نھازم ایست
 گفت کہ ہوے ہلدی می آید بے آنکہ نام مرزا قتیل بگوش حوزدہ
 باشد علت آنکہ می گوید تیغ بہ گرفت حالانکہ می باید گفت تیغ سر کردہ
 الخ چنانکہ در فرہنگ ظہر اے تفرشی موجود است - حالا چند خطاے
 دیگر کہ در اثناے کلام از مرزا قتیل سرزدہ براے عبرت معترض زیب
 رقم می یابد —

قتیل — مد پری قربان نازش دلستان کہست این
 رفت آرام ازدم آرام جان کہست این
 بر ماہران فن ظاہر است کہ در جاے رفت 'برد' می بایست —
 ولہ — سوخت چون برق نگاهش آشیانہ را تمام
 زیر لب پر سہد از من آشیان کہست این
 بدیہی است کہ بعد سوختہ شدن وجود آشیان باقی نمادہ پس لفظ 'آشیان'
 کہست این ' بجائے خود نخواہد بود بلکہ آشیان کہ بود می
 توان گفت —

ولہ — متہم کردہش بعشق خویش ہر کس را کہ نشت
 بہہ نکردد زخم از تہر و کمان کہست این
 ربط در مصرعین ہرگز پیدا نہست والسماعی فی بطن الشاعر —
 ولہ — ناقہ کش مردے غلط کردہ است رہ بر خاک تو
 جلد خواب اے تھس بلکہ ساریان کہست این
 اندک استغفران ہلدی مصرعہ اولی و فصاحت ترکہب ' ناقہ کش

ہو دے ' ۱۔ ملاحظہ فرمائیے کہ صاحبان ذوقی سلیم ہرگز پسند نہ فرمائیں گے اگر یہ دین ترکہب می گذشت از ثقات ترکہب اول گونه نجاست می شد نہ
 رہ فلط کردہ است ہر خاک تو مردے ناکہ کش

ولہ — ہکجا می بروت غمزہ صیدا انگن تو

اے سرما ہمہ قربان کتر بستن تو

بودن غمزہ صاحب خود را خالی از ظرافتی نیست و این شعر تمام
 لفظ است کہ از معنی ہوئے نہ دارد بقول حضرت غالب مدظلہ العالی —
 بگذار از معنی همین الفاظ برہم بسته ہوں بادہ ہوو شیشہ و ساغر مہیا کردہ است
 و اہ —

گفتم بہ بزرگی کہ بہ ہیں شانہ خود را بہرچہ قرار این ہمہ در خانہ نگہم
 چون کہلہ آن زلف سہہ بادل من دین گشتا کہ دگر در کف خود شانہ نگہم
 شانہ ہیں را بزرگ گذتن اگر مستغرقی نیست دیگرچہ باشد —

خاتمۃ الطبع

ہر مدبر ملشہان عالی گہر و سخن پردازان ہنر پرور مضفی و مستغنی
 نماند کہ این کتاب بالطافت و مستطاب یعنی ہلکامہ دل آشوب دوبارہ
 منظرہ کہ ہر حرفش سواد سرمہ چشم سیاہ چشمان و بیافش زیور بیاض
 گردن خوبان و ہر نقطہ اش مانند خال خوب رویاں نقطۃ انتصاب و ہر
 دایرہ اش مثال دایرہ چہرہ شہدان نایاب است تصنیفا لطیف مطلع
 تصدیق سخیلوری مقطع صحیفہ نکتہ پروری مجموعہ سفیدانی سرمایہ
 معانی در علم عربی طاق و در زبان فارسی علی الاطلاق مجمع معامد
 کوئین سہدفقر الدین حسین دہلوی سخن تخلص و مولوی باقر علی صاحب
 باقر تخلص دام ظلہہ و جلالہہ در مطبع منشی سلت پرشاد بدھن اہتمام

مکتوبات پیرائے جگر بند سہاے واقع قصبہ آرہ محلہ سہادیوا ضلع شاہ آباد
بغاریچ بست پلجم شہر جمادی الاول سنہ ۱۲۸۴ ہجری حلیہ طبع پرشہد —

وجہ مہر برخاتمہ

برائے حلد این معنی کہ این کتاب مطبوعہ مطبع مدعی سکت پرشاد

است مہر . طبع و دستخط مہتمم افزودہ شد —



ترقیء اردو کا واحد ذریعہ رومن رسم خط ہے

از

مصدق اجمل خان صاحب ایم۔ اے۔ محقق

اسلامیات، شائع کی گئی (بنگلہ)

انجمن ترقی اردو کی تاریخ شاید ہے کہ یہ محض ایک علمی جماعت ہے جس کا نہ سہاست سے تعلق ہے نہ کسی فرقہ وارانہ اصول پر "ترقیء اردو" کے خیال کو پروردہ کی گئی ہے۔ لیکن بد قسمتی سے گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے فرقہ پروری کی بیماری جلوں کے حد تک پہنچ گئی ہے۔ اور اگر یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا قدامت پرست ہندوؤں کی طرف سے کی گئی تو قوم پرستی کا دعوئی کرنے والے بھی چھں بچہیں نظر آتے ہیں۔ شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے —

بنارس سے ایک مصنوعی غبر فطاری اور تنگ خیالی کی گھٹانے اٹھ کر مذہب کے نام پر ہماری سوشل فضا کو تاریک کرنے کی جو کوشش شروع کی تھی وہ اب زیادہ زور پکڑ رہی ہے۔ اور وہ لوگ جو سہاسی اور سماجی حیثیت سے ہندوستان میں اتحاد کامل رکھنا چاہتے تھے، انہیں ان سہاسی مدبروں کی مثل پر چھرت ہوتی ہے جو یہ بدابین ادھائے حریت و روشن خیالی، اس تحریک کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کی رہبری کر رہے ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اردو کسی دوسرے دیس کی

بولی ہے۔ یہ صرف مسلمانوں ہی کو اس سے محبت ہے۔ اور مسلمانوں ہی نے ہندو کو اشدہ کر دیا ہے۔ لہذا اسے شدہ کرنے اور پھر اصلی پراچین دھرم کی اور لانے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ اس میں سے ہر ایک فارسی اور عربی لفظ کو چلا وطن کر دیا جائے اور اس کی جگہ سنسکرت کا شدہ شبد رکھ دیا جائے۔ جو نتیجہ ہوتا ہے وہ اتنا خوش نما اور اکثر اتنا مضحک ہوتا ہے کہ شاید بڑے سے بڑا مزاج نگار بھی وہ کھفیت نہ پیدا کر سکے۔ چونکہ ہم محض علمی چھٹت سے اس مسئلے پر غور کرنا چاہتے ہیں لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندی تحریک، یعنی وہ تحریک جو اردو کو مذاکر سنسکرت نما بولی رائج کرنا چاہتی ہے، اس کے ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ سیاسی مفکرین کی ایک جماعت کا (جن میں جرمین مذہب سیاست خاص طور پر قابل ذکر ہے) یہ خیال ہے کہ متعدد قوم (People) بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسانوں کی ایک جماعت اس طرح منظم ہو کہ اس کا مذہب، رسم و رواج اور زبان ایک ہی ہو۔ اس کے بعد ملت (Nation) بننے کے لئے صرف حصول حکومت و سلطنت کی دیر دھتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی کثیر آبادی ایسے افراد پر مشتمل ہے جو مذہباً ہندو کہی جاتی ہے اور اس چھٹت سے وہ اس رسم خط کو جو ہندوؤں کی تحریر کے لئے مہس ملر نے اتفاقاً رائج کر دیا ہے اسے استعمال کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھ گئی۔ اور چونکہ ہندی زبان بھی دیوناگری ہی میں لکھی جاتی ہے اس لئے ہندی اور ہندو دھرم کا گہرا سمبندہ ہونا لازم ہے۔ اس طرح اگر یہ ممکن نہ بھی ہوا کہ ہندوستان سے دیگر زبانوں کو قطعاً مٹا دیا جائے تو یہ تو ضرور امکان میں ہے کہ دھرم کے نام پر کام کر کے ہندی بولی اور دیوناگری لپی (رسم خط) کو ہندوستان

کے عام باشندوں کی بولی قرار دی جائے —

اس خیال کی بنا چند غلط فہمیوں پر ہے جو اگر دور ہو سکیں تو ہندوستان کی ایک بہت بڑی گتھی سلجھ سکتی ہے اور ہندوستان کی مختلف قوموں میں جو یکجہتی ہے وہ نہ صرف قائم رہ سکتی ہے بلکہ اس کی ترقی کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے —

پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ مذہب کو بنائے ملت (Nationalism) قرار دینا اور مذہب کے نام پر کسی ملک کی مختلف جماعتوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنا، عملی سیاست سے بہت دور اور کوتاہ اندیشی اور قدامت پرستی کی روشن مثال ہے۔ پنجاب کے ہندو مسلمان سکھ عیسائی باوجود اختلاف مذاہب کے صرف پنجابی زبان کی بدولت ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ اس لیے کہ زبان کا وہ رشتہ ہے جو مذہب اور وقتی سیاسی لڑائیوں کی پروا نہیں کرتا۔ اس محبت کا عملی نظارہ پنجاب سے باہر دیکھو۔ کلکتے یا بمبئی میں ایک سکھ اور مسلمان محض لسانی یک جہتی کی وجہ سے جس خلوص سے ملتے ہیں وہ ظاہر کرتا ہے کہ مسجد شہید گلج کے سے قصے انسان کی قلبی گہرائیوں پر اتنا اثر نہیں ڈالتے جتنا زبان و وطن کا اثر ہوتا ہے۔ یہی حال بنگالی، سندھی گجراتی اور تلنگی بریلے والوں کا ہے۔ اسی لسانی یک جہتی کا اظہار وہ نوجوان طالب علم بھی کرتے ہیں جو مختلف فرقہ وارانہ کالجوں یا یونیورسٹیوں کے ہوسٹل میں رہتے ہیں۔ لیکن باوجود اتحاد مذہب کے آپ جب دیکھیں گے تو یہ نظر آئے گا کہ پنجابی طالب عام پنجابی کے ساتھ ہے اور بنگالی بنگالی کے گروہ سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اور اختلاف مذاہب کے باوجود ہر نوجوان طالب علم اور سن رسیدہ یونیورسٹی اسے ہم چالوں کی فطرتاً تلاش کرتا ہے

جو اس کی وطنی زبان سے دلچسپی رکھتا ہو۔ خواہ وہ زبان سندھی ہو یا پُرس، جاپانی ہو یا ملائیم۔ فرض کہ جو قومی نیشنلزم کو مذہب کے نام پر آئے بڑھانا چاہتی ہے وہ یا تو ایک اندھی گلی کی طرف جان بوجھ کے جارہی ہے یا اس نے اب تک صحیح اور سچی مکتوبات کو سمجھا نہیں۔ دونوں حالتوں پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔ دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ کسی رسم خط کو اس لئے نہ اختیار کیا جائے کہ یہ مفید ہے، آسان ہے اور یہ انسانوں کی کثیر تعداد کے عام میں اضافہ کرنے کا آسان ذریعہ ہے۔ بلکہ بعض اس لئے اختیار کیا جائے کہ اس میں کسی مذہب کی ایسی مقدس کتاب و برگزیدہ سمجھی جاتی ہے کہ عوام نہ تو اس کے منہوم پر حاری ہو سکتے ہیں اور نہ وہ زبان کسی ملک میں رائج ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ زبان نہ سہی رسم خط ہی سہی، اس رسم خط سے مذہبی جماعت محبت کا دعویٰ کرتی ہے۔ اور اس امر کے بلا لحاظ اس امر کے کہ امن سے عائد الناس کی علمی مشکلات میں کسی ہوگی یا نہوگی اس رسم خط کو انجان اور سادہ لوح افراد ملک پر زبردستی عائد کیا جاتا ہے۔ لیکن رسم خط کا کسی زبان سے اتنا گہرا تعلق ظاہر کرنا اور اس میں اس حد تک مبالغہ کرنا کہ زبان یا رسم خط کو مقدس اور دیوتاؤں یا فرشتوں سے متعلق بتانا لاعلمی اور قدامت پرستی کی حیرت انگیز مثال ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی ایسا شخص اس کا دعویٰ کرے جو مذہب اور سیاست دونوں کا ماہر بلکہ کا ادعا کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک ادنیٰ تعلیم یافتہ بھی یہ جانتا ہے کہ عربی کو اگر چھٹی رسم خط میں لکھیں تو وہ عربی ہی کہلائے گی چھٹی نہ کہی جائے گی۔ اسی طرح سندھ کے ہندو اگر سنسکرت یا سندھی کو فارسی حروف میں لکھتے ہیں تو

ان کو کوئی فارسی نہیں کہتا۔ رسم خط معض آسانی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے نہ کہ مقدس کے خیال سے۔ اگر صرف مقدس ہی کا خیال ہوتا تو قدیم برہمنی رسم خط کو چھوڑ کے ہرگز دیوناگونی خط ویدوں کے لیے نہ استعمال کیا جاتا۔ وہ کیا یہ امر کہ مسلمان عربی رسم کو مقدس سمجھتے ہیں اور اسی لیے کہ قرآن ان حروف میں لکھا جاتا ہے تو اس کے متعلق سوائے اس کے کیا عرض کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مذہبی مفادات کو غیر اقوام تک نہیں پہنچایا ورنہ ہر غیر مسلم یہ سمجھ لیتا کہ عربی کا کافروں کی زبان تھی۔ اسی زبان میں قرآن موجود ہے۔ اور اب بھی جو الفاظ یا قرآنی خیالات سمجھ میں نہیں آتے ان کی تفسیر بڑے بڑے کافر کے کلام سے کی جاتی ہے۔ ایسے کلام عرب سے جو جاہلیت میں اپنی تمامت قلب اور عدم حلم کے لیے خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور اسلام نے تو ہر مہلک و قوم میں نہیں اور رسولوں کا ماننا فرض قرار دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ ہر نبی کی زبان مقدس ہے بشرطیکہ اُس زبان میں بنی نوع انسان کے فائدے اور ترقی کی باتیں ہوں۔ لہذا مسلمان کے لیے تو ایرانی و تورانی و ہندو ایرانی، سنسکرت اور یونانی ہر ایک زبان اور رسم خط مقدس ہے۔ فضیلت صرف پاکیزگی خیال کو ہے نہ رسم خط کو۔ لہذا مسلمان کے لیے یہ نہایت آسان ہے کہ وہ کسی رسم خط کسی ملک کو اپنا رسم خط اپنی زبان اور ایذا ملک سمجھنے لگے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان کسی سنگد کو عبور کرنا گناہ نہیں سمجھتے نہ کسی زبان یا رسم کو اپنا نے میں انہیں عذر ہے اسی طرح ہندوستان میں کثیر تعداد ہندوؤں سکھوں اور پارسیوں کے جو زبان اور رسم خط کو معض اتحاد کا ذریعہ سمجھتے ہیں کہ کاروبار کو ملحد سمجھتے ہیں اور نکی زبان کو اختیار کرتے اور ترقی دینے کو

ہوا نہیں سمجھتے - اگر وہ حضرات جو ہندوستان میں صرف دیوناگری رائج کرنا چاہتے ہیں یہ غور کریں کہ یہاں علاوہ اردو کے کم از کم سولہ تسم کی مختلف ہندوستانی رسم خط جاری ہیں اور دیوناگری کو ان تصویروں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ عام اتحاد کے رسم خط نہ استعمال کریں اور دیوناگری کو تلگو یا برہمی رسم خط پر ترجیح نہ دیں - اس لیے کہ یہ ان خطوں سے نہ زیادہ خوبصورت ہے نہ آسان - نہ کل آوازوں پر حاوی ہے - نہ الغبائی -

تیسری غلط فہمی اور سب سے بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت سخت قدامت پسند واقع ہوئی ہے - وہ اچھے زائل ہوتے ہوئے اقتدار کو ہر ممکن طریقے سے قائم رکھنا چاہتی ہے - اور اسی لیے کبھی مذہب کے نام پر، کبھی وطن کی محبت یا دلا کو وہ یہ چاہتی ہے کہ ہم ترقی سے تزلزل کی طرف، علم چہل کی جانب اور زندگی سے موت کی سمت قدم بڑھائیں - یہ جذبہ قدامت پرستی کبھی تاریخی واقعات کو یک طرفہ بیان کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، کبھی قدیم رسم و رواج کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی پرانی زبانوں کے زندہ کرنے اور لٹریچر میں ایسی غہر فطری چیز داخل کرنا چاہتا ہے جو وضع شدہ علمی غہر محلہ کی بہترین مثال ہو سکتی ہے - بدقسمت ہندوستان کی اس سے زیادہ کھا بدقسمتی ہو سکتی ہے کہ جب سے مختلف اقوام ہند کو الگ رکھنے کے لیے جداگانہ انتظامات کیے گئے ہیں - اس وقت سے جدائی اور نفاق کی مسموم ہوا نے ان دماغوں کو بھی پریشان کر دیا ہے جو بظاہر اب بھی قوم پروری اور اتحاد کی کہت گاتے ہیں - لیکن جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم

اپنی زبان کی نئی اصطلاحات بنانے میں کس زبان سے امداد لیں تو یہی قوم پرست دو گروہوں میں نظر آتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ سلسکرت ہی "پوشک بہاشا" ہو سکتی ہے، دوسرا عربی کو "امدادی زبان" بنانا چاہتا ہے۔ دونوں وزنی دلائل نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے دلائل کا مرکز ثقل، زیادہ تر قدیم مذہب و تمدن کے زندہ کرنے کے خیالی کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جسے میں بدترین غلط فہمی سے تعبیر کرتا ہوں۔ اور بنانا چاہتا ہوں کہ ہندوستانہوں کو ان رجعت پسندی کی تحریکوں کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہیے۔ جہاں تک زبان و تمدن کا تعلق ہے دنیا کا کوئی ماہر لسانیات و تاریخ نہیں ہے جو نظریہ ارتقاء لسان و تمدن کا قائل نہ ہو۔ اسی لیے میں نے ہندوستانی اکیڈمی کی لکچر کانفرنس میں یہ چھیڑ پدش کی تھی کہ ہم فارسی کو "امدادی زبان" قرار دیں۔ اور عربی کو جو ایک غر افرین زبان ہے اور سلسکرت کو ایک مردہ زبان ہونے کی حیثیت سے مرکز پوشک بہاشانہ بنائیں۔ فارسی اور سلسکرت ایک ہی منبع سے نکل کر دنیا کے علم و ادب کو سہراب کورمی نہیں۔ سلسکرت کا کلا برہمنوں نے گھونٹ دیا اور ہندوستان میں سمکڑوں پراکرتوں اور ذاتیں اسی وجہ سے رائج ہوئیں کہ برہمنوں کی حمایت نہ صرف دولت طاقت اور مذہب کو اپنے اقتدار میں رکھنا چاہتی تھی بلکہ وہ علم و ادب کی مسرتوں سے بھی عوام کو محروم رکھ کر سلسکرت کو "دیوبانی" قرار دے چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فارسی اور سلسکرت میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔ اور ایک زبان ترقی کرتے کرتے دنیا کی بہترین اور پھرین ترین زبان بن گئی۔ اور دوسری زبان اتنی معیوہ کی گئی کہ رفتہ رفتہ مردہ ہو گئی۔ اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ اکثر

سلسکرت کے الفاظ ایسے ہیں جو سمجھ سے باہر ہوں —

چوتھی غلط فہمی یہ ہے کہ عربی یا سلسکرت کے نامانوس الفاظ کا کثرت سے استعمال کرنا اردو یا ہندی کو بہتر بنانے کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت کہ ایسے الفاظ کے استعمال کو چھوڑ کر جو بالکل ہندوستانی ہو گئے ہوں نئے الفاظ کی ایسی بے تکی بھرمار کی جارہی ہے کہ ہماری زبان خصوصیت سے ”ہندی“ عجب زبان ہو گئی ہے جو خود مصنفین کے گھروں میں بھی رائج نہیں ہے۔ مندرجہ ترجمہ ملاحظہ فرمائے —

آوار	=	دوی وار	دکھ	=	دکھش
پہر	=	سوسوار	پچھم	=	پشچیم
چلت	=	چھترا	پانی	=	جل
پھساکہ	=	ویشاکہ	پیتر	=	ورکشا
چھتہ	=	چھشتہ	ہار	=	مالا
سادن	=	شردان	ہوا	=	واہو
بھادون	=	بھادراید	جگہ	=	استھان
کلوار	=	اسوج	وعدہ	=	پرنگھا
اکھن	=	مگھ	بھاء	=	رواہ
پھاگن	=	پھاگن	بھوہ	=	ودھوا
اکر	=	یدی	پھار	=	پریم
بھن	=	بھگلی	شک	=	سندپہ
بھگھا	=	پدھارنا	مہربانی	=	کوپا
نماشن	=	پرادرشی	دیت	=	بالو
پاس	=	سہیت	ریچھہ	=	بھالو
			بھت	=	ادھک

اور یہ بھی ملاحظہ فرمائے کہ کس طرح آسان الفاظ کو ناموس اور پونہ پنا کر ترقی محکوس کی جا رہی ہے۔ اس سے بھی زبان مفسدہ و ترجمے میں جو خالص ہندوستانی الفاظ کو ترقی دیوانی بنا دیتے ہیں مثلاً -
حالات کے لئے عوارض -

ترتیب اصطلاحات

مغالطہ عوامہ ... مغالطہ دلیل مرافعہ الی لشائق العوام

مغالطہ استدلال ... مغالطہ استدلال الی تعظیم المستلذین العظام

فواہ ... دھوکہ

ورمال ... کہہ مارا و ستر کھلنا

خزانچی ... کوشاد رکھی

بدریغہ تار ... توت دوارا

استعش ماسکو ... شب پیمان استعہ استہان پردہان

(یعنی بہا پ سے چلنے والی گاڑی کے تھیرنے کی جگہ کا افسر)

ان مثالوں سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ اس مغالطے میں ہیں کہ ثقیل الفاظ سے زبان خوش نما ہو جاتی ہیں وہ در حقیقت اپنی زبانی کو ایک ایسے راستے پر لے جا رہے ہیں جو عامتہ الناس کی دسترس سے باہر ہو کر صرف ایک محدود اور تنگ خیال طبقے کی مصلوہی زبان ہو جائے گی اور اس قسم کی غیر فطری کوششوں سے کبھی ہندی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ نہ اردو کو۔ اگر ترقی ہو سکتی ہے تو واقعی اسی اسہرت میں ہو سکتی ہے جس نے امیر خسرو اور ملک محمد جالسی کو ہندی لکھنے پر آمادہ کیا۔ اور نہ صرف مسلمان بادشاہوں اور امرا کی سرپرستی سے بلکہ ہندو مسلمانوں کی مکمل ہم آہنگی سے ایک ایسی

زبان تیار ہوئی جسے خود مسلمان ہندوی ریختہ اور اردو کہتے تھے - اور فارسی چھوڑ کر ریختہ کی تعمیر میں اتنا ملہمک تھے کہ ان ذہن میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس زبان کا کوئی تعلق اسلام یا ہندو مذاہب سے ہے - میں یہاں اس افتراقی اور تکریدی کوشش کا ذکر نہیں کروں گا کہ کس طرح تلک خیال اور قدامت پرست افراد نے ملک و ملت کو مسلسل پریشان رکھنے کے لئے اس مسئلے کی ابتدائی - حتیٰ کہ اب بعض نادان اور سادہ لوح ہندوستانی ہندی اردو کے مسئلے کو مذہبی نقطہ نظر نظر سے دیکھ کر اپنی واحد زبان کو دو حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم زبان و وطن کی سچی خدمت کا فرض ادا کر رہے ہیں -

اگر ہم مندرجہ بالا غلط فہموں کو رفع کرنے میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں خصوصیت سے اپنی توجہ اس مسئلے کی طرف مرکوز کرنی چاہیے - کہ ہندی اور اردو میں اختلاف ہے یا یوں ہی جلد متعصب اور تلک خیال لوگ یہ شور مچا رہے ہیں - جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندی اور اردو میں کوئی فرق نہیں ہے - صرف نام کا ہیر پیر ہے - اگر آپ کسی ہندی کے حاسی سے پوچھیں کہ ہندی کسے کہتے ہیں تو وہ کوئی اقراری تعریف نہ کر سکے گا لفظ ”ہندو“ کی جس طرح انکاری یا منفی تعریف کی جاتی ہے اسی طرح ہندی کی بھی تعریف کرے گا - مثلاً ہندو کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ ہے جو کسی ہندوستان کے پیدا شدہ مذاہب کا پیرو ہے یا ہندو وہ ہے جو مسلمان نہیں ہے - گویا کہ سکھ، جین، کبیر پنتھی، ولہشوی، بودہ، دادویلتھی وغیرہ سب ہندو ہیں حتیٰ کہ

پارسی بھی ہندو ہی سمجھے جاتے ہیں اور سکندر کے ساتھی جو ہندوستان میں رہ گئے تھے وہ بھی ہندو ہیں لیکن اگر ہندو نہیں ہے تو مسلمان نہیں ہے۔ کاش کہ اس چھڑ کو مذہب سے متعلق نہ بنایا جاتا اور جس طرح فہر ممالک کے لوگ ہم سب کو ہندی یا ہندو کہتے ہیں اسی طرح ہر ایک ہندوستان کا باشندہ بلا لحاظ مذہب کے ہندو کہا جاتا —

لیکن جس طرح ہندو ایک خاص جماعت سے متعلق سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کا مفہوم متعین نہیں ہے، اسی طرح لفظ ہندی بھی خود ہندی کے پُر چاریوں میں متعین نہیں ہے۔ ہندی، قنوجی، برج، بانگرو ہندوستانی، اودھی، بگھیلی، چھتیس گدھی (یعنی اڑیہ اور مرہٹی) راجستھانی گجراتی، پنجابی سب ہندی زبان کی قسمیں ہیں اور سب کو ہندی کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کی تعریف کی جاتی ہے تو کوئی کافی داس کی زبان کو ہندی کہتا ہے، کوئی کپور کی بولی کو، کوئی ملک مضمند جائسی کی زبان کو مستند بتاتا ہے کوئی برج نرائن چکبست کی زبان کو۔ اس افراطی میں آخری تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ہندی اُسے کہتے ہیں جو اردو نہ ہو۔ کہا خوب۔ اردو والے تو خود بھی کہتے ہیں کہ اردو ہندی یا ہندوی ہے۔ اس کو کوئی ریختہ کہتا ہے کوئی اردو، کوئی برج بھاشا سمجھتا ہے کوئی اودھی۔ لیکن درحقیقت جو لوگ جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے۔ اور خفاہ سلطنت کے زوال کے بعد بھی ایک مخصوص خطہ ملک ہند تھا جسے ہندوستان کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں۔ حیدر آباد جائے تو۔ کہتے ہیں کہ آپ ہندوستان سے آئے ہیں بلکال جائے تو وہ زبان سے پہچان جاتا ہے کہ یہ ہندوستانی ہے۔ یہی صورت ہماری اور پنجاب والوں کے سامنے پیش آتی ہے کہ ہر

شخص آپ کو ہندوستانی تصور کرنا ہے۔ گویا کہ یہ لوگ ہندوستان کے باہر بستے ہیں یا ہندوستان ایک مخصوص خطہ ہند ہے جسے یہ سمجھ جانتے ہیں اور اسی لیے ہند کے باقی حصوں سے اُس کو الگ کر دیتے ہیں۔ واقعہ یہی یہی ہے کہ پہلے سرہند سے لے کر بہار کے ختم تک ہندوستانی سمجھا جاتا اور یہاں جو زبان رائج تھی اور اب بھی رائج ہے وہ زبان ہندوستانی ہندی، اردو یا ریختہ کہلاتی تھی۔ لہذا اگر آپ فور سے سمجھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اردو یا ہندی ہندوستان کی مشترک زبان ہے عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اسی زبان میں ہمارے ادبیات کا بہترین سرمایہ ہے۔ جو لوگ اس ایک زبان کے دو مختلف اور منضاج تہوں کو کرنا چاہتے ہیں وہ یقیناً ہندوستان کی اس واحد اور مشترک زبان ہی کے دشمن نہیں بلکہ ہندوستانی یکجہتی اور وطن پرستی کے جذبات کے بھی دشمن ہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم نہ صرف کوئی تہذیب مظلوم کر کے اس پر عملی جدوجہد شروع کریں بلکہ ان وطن دشمنوں کی پوری قلعی بھی کھول دیں۔ اور پلذت جواہر لال صاحب صدر انڈین نیشنل کانگریس کی طرح صرف اس پر اکتفا نہ کریں کہ ڈاکٹر سہن محمود کو کراچی کانگریس کا وہ رزلویشن یاد دلائیں جس میں ہندوستانی زبان کو ملک اردکانگریس کی زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ (دیکھئے مکتوب پلذت جواہر پنام ڈاکٹر سہن محمود مشہورہ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء) بلکہ ہمیں چاہئے کہ ہر ممکن ذریعہ سے اپنی زبان کو غلط روی اور تہذیب سے بچائیں۔ نہ اسے منسکوت بنائے دیں نہ عربی بلکہ ایسی زبان کو رائج کریں جس کو ہندوستان کی ایک ادبیاتی صورت بھی سمجھ سکے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ جب ہندی اور اردو ایک ہی زبان ہے تو

پھر یہ اختلاف کی آوازیں کہوں بلند ہو رہی ہیں - بقرل غالب - کہ -
 جب کہ تجھے بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہلکا اے خدا رکھا ہے
 تو میں جواب میں یہ عرض کرونگا یہ جھگڑا رسم خط کا ہے - اور
 کراچی کانگریس نے بھی یہ شدید غلطی کی ہے کہ اگرچہ ہندی اور اردو
 کے لیے ایک نام ہندوستانی تجویز کیا لیکن ہمارے مضافت بھی دونوں رسوم
 خط کو قائم رکھا - یعنی وجود یکہ ملک کی واحد زبان ہندوستانی تسلیم
 کی گئی لیکن ناگری اردو دونوں خطوں کو بھی سرکاری طور پر تسلیم
 کر لیا - اور اسے ہندوستانیوں کے حقوق اساسی میں داخل کر دیا -
 رسم خط کی ایک ہدی ہے جس پر ہندوستانی بولنے والے نادانوں
 کو چند افراد یا جماعتیں لڑ رہی ہیں - ظاہر ہے کہ ناگری اور
 اردو خطوں کے رواج سے اختلافات کی خلیج وسیع تر ہو جائے گی اور
 زبان کی ترقی پر بہت برا اثر پڑے گا - اگر کسی طرح یہ ممکن ہوتا
 کہ ہم سب جو ایک ہی زبان بولتے ہیں ایک ہی رسم خط اختیار
 کر سکتے تو گویا ہم اپنی مشکلات پر پوری فتح حاصل کر لیتے - لہذا
 اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ہندی اردو کا اختلاف صرف لفظی
 اختلاف ہے - اور ہندوستانی زبانوں کا صحیح ذوق رکھنے والے حضرات
 اس سے پورے طور پر واقف ہیں کہ کوئی مصنوعی ہندی یا اردو ہمارے
 ملک میں رائج کرنا رجعت تہری کرنا ہے میں چند ایسی تجویزیں
 پیش کرتا ہوں جو مہری رائے میں نہ صرف اردو کی حفاظت کا باعث
 ہونگی بلکہ ان پر آسانی سے عمل بھی ہو سکتا ہے اور ان کے ذریعہ
 اردو کو دن دردن دات چوکنی ترقی بھی ہوگی -

ذرائع ترقی اردو

۱۔ ترقی اردو کے ذرائع پر غور کرنے سے پہلے ہمیں اردو کی ایک مختصر اور جامع تعریف کرنی چاہیے۔ میرے خیال میں اردو اس زبان کا نام ہے جو جو برج بہاشا میں فارسی اور عربی متعارف کو اس طرح ملائے سے پیدا ہوئی ہے کہ اجنبی الفاظ بالکل ہندوستانی ہو گئے۔ اس زبان کی گرامر کی تشکيل برج بہاشا کی گرامر کی زمین پر ہوئی۔ اور اس میں فارسی گرامر کے مرکبات، اصول معانی و بیان اور عرض کو داخل کر لیا گیا۔ عربی عروض کی وہ بحرین جو فارسی میں رائج نہیں ہیں وہ بھی توک کردی گئیں اور برج بہاشا کی بھی اکثر بحرین کم استعمال کی گئیں۔ اور شاعری میں بخلاف برج بہاشا کے مرد عاشق قرار پایا۔ لیکن تشبیہ و استعارات اور نفسیاتی و فطری کیفیت کے اظہار کے لیے ہندوستان اور ایران دونوں ممالک کے اسالیب بیان کی پیروی کی گئی۔ اس طرح صدیوں کے عمل و رد عمل سے اس زبان کی ایک مستقل اور منجھی ہوئی صورت قائم ہو گئی جسے ہم اردو کہتے ہیں۔ یہ زبان نہیں ہے بلکہ قدیم ایرانی اور جدید ایرانی تمدن کے اتحاد و امتزاج کا دوسرا نام ہے۔ یہ ہندوستان کی پیداوار ہے۔ اور ہم رثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ برج بہاشا کی ایک ایسی ترقی یافتہ اور مقبول صورت کا نام ہے جسے عام ہندوستانیوں کے متعدد فیصلے نے ہندوستان کی عام زبان بنا دیا ہے —

اس زبان کے استعمال کرنے والوں کے دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک گروہ ایسا ہے جو اردو بولتا ہے اور یہ اس کی مادری زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ اس گروہ کے بعض افراد ایسے دیوناگری رسم خط میں لکھتے ہیں اور بعض اردو رسم خط میں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جس کی مادری

زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ اسے سمجھتا ہے یا تھوری سی کوشش کے بعد وہ سمجھ سکتا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں ترقیہ اردو کے ذرائع بالکل مختلف اور طریقہ کار قطعاً جدا گانہ ہو گا جو میں بالتحصل عرض کرتا ہوں۔

۱۔ جس گروہ کی مادری زبان اردو ہے اس میں عام اور جبریہ تعلیم کو جاری کرنا سلطنت کا فرض ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اردو زبان میں ابتدائی تعلیم عام طور پر رائج ہو اور اس کا نصاب ایک ایسی جماعت سے متعلق ہو جو عوام کی ضروریات اور تعلیمی تجربے کے ساتھ ساتھ آسان اردو زبان کی کامل مہارت رکھتی ہو۔ یعنی انجمن ترقی اردو کا منظور کردہ نصاب عام طور جاری کیا جائے اور جو صورت نصاب تعلیم کے معرور کرنے کی آج کل جاری ہے وہ قطعاً بند کر دی جائے۔ یعنی کئی کئی کورس نہ منظور کیے جائیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف صوبوں کے سرمایہ دار تجارتی توائف کے اصولوں کو زیادہ پوری نظر رکھتے ہیں۔ اور مختلف مدارس کے ہیڈ ماسٹروں پر اس کا دارومدار ہوتا ہے کہ وہ کون سا کورس اپنے مدرسے کے پسند کریں۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک ہیڈ ماسٹر یا ڈپٹی انسپکٹر لسانیات کا ماہر نہیں ہوتا اور مدارس میں محض پبلشر کی مروت یا ہیڈ ماسٹر کی عدم توجہی کی وجہ سے ناقص کتابیں رائج ہو جاتی ہیں۔

۲۔ اس گروہ کے اکثر افراد متوسط الحال طبقے کی اس جماعت پر مشتمل ہوتے ہیں جو ادنیٰ طبقے سے قریب تر ہیں یعنی ان میں تعلیم بہت کم ہوتی۔ اور وہ صرف ایسی کتابوں کو پسند کرتے ہیں جنہیں اعلیٰ طبقے کے لوگ سوچا نہ اور عامیانہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے لئے ہم ان کی

ہسٹل کا ' لیکن بہتر لٹریچر مہیا کو سکتے ہیں - اور اگر ہم ٹولستانے ' ہامسن رٹیکو ' گور کی ' شرر اور پریم چند کے افسانوں اور عام پسند لٹریچر کو دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آسم کا لٹریچر ابھی اردو میں بہت کم ہے - اور ضرورت ہے کہ ہم اردو کو عام پسند بنانے کے لیے ایسے لٹریچر کو بکثرت سے شائع کریں جو صرف خشک اور علمی مسائل ہی پر مشتمل نہ ہو -

اسی سلسلے میں نامناسب ٹیوگا اگر میں فلمی کہانی لکھنے والوں کی اردو کشی کی طرف آپ کو متوجہ کروں - ہمیں ایک ایسے ماہرین زبان کے بورڈ کی سخت ضرورت ہے جو مختلف فلمی کہانیوں پر لسانی اور فنی نقطہ نظر سے ایسی تنقید کریں جو عوام کی سمجھ سے باہر نہ ہو - اور افسانہ نویسوں کو مجبور کریں کہ وہ رے عالمہ کا لحاظ کر کے بہتر زبان میں اچے افسانے تیار کریں - اور اگر ممکن ہو تو ہماری انجمن کے منظور شدہ افسانوں کی تصویبیں دکھائیں - غالباً یہ کہا تصدیق حاصل ہے کہ لاکھوں اردو بولنے والے سمجھنے والوں کی زبانیں موجودہ صلیب افسانہ سازی کی بدولت قباہ ہو رہی ہیں -

۳۔ عام طور پر اردو کا رواج دینے اور اس کی ترقی کے لیے اس لپو کی شدید ضرورت ہے کہ ایک مرکز قائم جائے جہاں طباعت و اشاعت کی بنی تعلیم کے ساتھ ساتھ انشاپرہازی ' صحافت و ترجمے کی اعلیٰ تعلیم دی جائے - اور اسی مرکز سے ایسے اساتذہ بھی تیار کئے جائیں جو اردو کو مختلف صوبوں کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے وہاں اردو کی تعلیم ان کی زبان میں دے سکیں - یعنی اردو کے سہانہ کی ایک مخصوص جماعت کی تربیت اس طرح ہو کہ وہ غیر زبانوں کے جاننے والوں کو علمی اور سائنٹفک طوبیت سے تعلیم دے سکے - ایسا مرکز یا کالج

نہ صرف ترویج اردو کے لیے مفید ہوگا بلکہ ہماری صحافت و انشا پردازی کا معیار بھی بلند ہو جائے گا۔ اردو مستقل کالج کے قیام سے ہماری تحریر کو بھی استواری حاصل ہوئی۔

۴۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کے سیاسی اور علمی ادارے ایک ایسی جماعت سے تظمی بے خبر معلوم ہوتے ہیں جو نہایت بے تعصبی اور کامل رواداری کے ساتھ ہندوستان کی سوشل حالت کو بہتر بنانے کی خاموش مساعی میں عرصہ سے سرگرم عمل ہے۔ اس جماعت کی نظر میں ہندو مسلم سب یکساں ہیں۔ اردو ان کی مجالس میں ہندی اردو فارسی سب کی قدر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری مشترک زبان یعنی اردو کو اس جماعت کی وجہ سے کافی ترقی ہوتی ہے یہ جماعت صرف یہ مشائخ یا یوگھوں کی ہے۔ جو کام شمع ملک دیوان نے سنہ ۷۵۰ ع میں ملابار میں شروع کیا تھا وہ سہد ناتھز ولی (۱۰۲۰ ع) نے ترچنا پلی میں پہنچایا۔ اسی کا اثر گلبرگہ پہنچا۔ اور خواجہ اجمیری کے اثر سے حسینی کا لستہ پیدا ہو گئے جو روزے بھی رکھتے ہیں اور مردوں کو دفن بھی کرتے ہیں باوجودیکہ انہوں نے وید کا مطالعہ بھی جاری ہے۔ اسی طرح مولوی سہد حسین کے شاگرد اور حضرت فرید کے مرید حاجی گردناک نے ایک نیا مذہب مواخات قائم کر دیا۔ کبیر پلتھی سنہ ۱۴۳۰ ع میں اور دادو پلتھی (جو در اصل داؤد نامی ایک صلح کل مسلمان تھے) سنہ ۱۵۷۲ ع میں راجپوتانہ میں ترقی کرنے لگے۔ اسی طرح ستنامیوں اور غریب داس پلتھیوں نے دہلی کے قرب و جوار میں بت پرستی، رسوم پرستی، تسبیح ہماری، تہمتہ جاترا اور ذات پات کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ ان صوفیوں کے گروہ سے آجکل کے کام کرنے والوں کو سبق لیتا چاہیے۔ اور

اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ مولوی کراست علی جونپوری کی سوانح عمری تک بلکال میں نہ ہونڈے نہیں ملتی بارجودیکہ یہ رہا ہستی تھی جس نے کمپنی کے زمانے میں آدھے بلکال کو اچھوتوں کی جماعت سے نکال کر انسان بنادیا۔ اور اُن کی کثیر جماعت میں اردو رسم خط اور اردو سمجھنے کی استعداد کو اپنے رسائل مذبح الجملہ و راہ نجات کے ذریعہ سے بڑھایا۔

بہرکف مدعا یہ ہے کہ ان بزرگوں کی رواداری نے ہندوستان کی مختلف قوموں کو ایک مذہب مواخات میں جکڑ دیا تھا ان کے دھوں، چوپائٹوں، رباعیوں اور ملفوظات نے مختلف ہندوستانی زبانوں کو ایک ایسے معیار کی طرف بڑھنے کی دعوت دی تھی جس سے ہمارے کلچر و تہذیب میں یکونگی پیدا ہوگئی تھی اور اگر کچھ نہرنگی بھی تھی تو وہ کفایت جمال کو ترقی دینے کا باعث ہوتی تھی۔

اس جماعت کو اب بھی منظم کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اردو کو کافی ترقی دی جاسکتی ہے۔ اکثر عرسوں اور سالانہ اجتماعات کے موقعوں پر بزرگوں کے حالات یا عام سوشل مسائل کے متعلق اردو میں ایسا لٹریچر تقسیم کیا جاسکتا ہے جو ان بزرگوں سے سید جواز و استحصان حاصل کر لے۔ معتقدین کی جماعت ایسی چھڑوں کو اب بھی مقدس سمجھ کر ترقی کا باعث ہو سکتی ہے۔

۵۔ آخری تجویز یہ ہے۔ جو سب سے اہم ہونے کی حیثیت سے آپ کی توجہ اور ہمدردی کی محتاج ہے۔ اگر آپ فور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں لاکھوں بلکہ کروڑوں ایسے لوگ آباد ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ اور ان میں کافی تعداد ایسے

اصحاب کی ہے جو آسان اردو سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن اپنے صوبوں کی ضروریات کے لحاظ سے مختلف قسم کے رسوم خط کا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً گجرات میں گجراتی اور بلکال میں بلکالی رسم خط رائج ہے۔ سی پی میں دیونا گری کا استعمال زیادہ ہے۔ لیکن ان سب میں کثیر تعداد ایسے افراد کی ہے جو انگریزی جانتی ہے اور دوسرے خط سے واقف ہے۔ ان لوگوں کو نہ اتنی فرصت ہے نہ ضرورت کہ وہ اردو رسم خط کو سمجھیں اور اس سے لطف اٹھانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر آپ اردو زبان کی کتابیں دوسرے خط میں شایع کریں تو اکثر غیر زبان بولنے والے آپ کی کتابیں خریدنے اور پڑھنے کے حامی نظر آئیں گے۔

اس جماعت کے علاوہ لاکھوں عیسائی اور فوجوں کے ملازم اب بھی دوسرے خط میں اردو پڑھتے ہیں۔ اگر آپ اردو کا معیار بلند کرنا اور زیادہ عیسائیوں اور فوجیوں کو اردو کا حامی بنانا چاہیں تو آپ کو لامتناہی وہی رسم خط اختیار کرنا پڑے گا جو وہ جانتے ہیں۔ اور اگر انہیں ضروری مفید اور دلچسپ لٹریچر مہیا کیا گیا تو وہ یقیناً اردو کے بہت بڑے معاون ثابت ہوں گے اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ دوسرے رسم خط کو اردو زبان کے رواج کے لیے لازمی قرار دیں اور اس رسم خط میں اگر آسانی نظر آئے تو اردو رسم خط کی جگہ اس کو رائج کریں۔

میں صرف ایک مثال پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ ملدرجہ ذیل قطعہ مصور ویکلی ۱۹ جولائی سنہ ۱۹۳۶ ع سے لیا گیا ہے۔ لیکن باوجودیکہ میں مرہٹی اور گجراتی زبان جانتا ہوں نہ رسم خط لیکن دوسرے خط کی وجہ سے نہ صرف ان دونوں زبانوں کو پڑھ لیتا ہوں بلکہ

یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ زبانیں اردو سے اتنی قریب ہیں کہ تھوڑی سی کوشش میں ان کی قلب ماہیت ہوسکتی ہے اور یہ خالص اردو بن سکتی ہیں :-

URDU

1. Ap apne gahakon ko naqd sauda ke waste kitni dasturi dete hain ?
Agar ap dasturi barhaen to ap ko gahak ziyada milenge.
2. Yih arhatiya saudagar hain na ki thora saman bechnewale dukandar.
3. Wuh sarkar ke fauji mahakme ko sab qism ka zaruri saman muhaiya karte hain.
4. Un ki qimat inaqul hai is liya un ko is sal theka mila.
5. Is qism ka saman unhon ne Inglistan se barah e rast mangwaya hai
6. Is waqt bazar men yih saman chuk gaya hai.
7. Aj kall wuh log apna saman bahut mahnga bechte hain.
8. Yih ap ki galati hai. Kya ap ne kabhi un ki qimat ka dusron ki qimat se muqabla kiya hai ?
9. Ap chunki un ke purane gahak hain ap ko dusri jagah chizen mol nahin lena chahiye.
10. Baz dafa shakr un ko asli dam par bechna parti hai.
11. Bagair munafe ke apna kar a bar kaise chala sakte hain ?

MARATHI

1. Rokhila tumhi girhaikana kai sut detan ? Tumhee jar sutiche praman wadhwal tar tumhala Jyast girhaik milel.
2. Te ghauk wyapari ahet. kirkolnahint.
3. Te Sarkari lashkari khatyala Je lagel te saman purwitat.
4. Tyanchya kinti nehame wajwi astat mahnun yanda tyana he kantrat milale.
5. Tyani hya tarhecha mal thet Englandhun magwila ahe.

6. Sadhyan bajarant ha mal milat nahin.
7. Aj-kal te far Jyast bhaawane mal wiktat.
8. He tumchi chu ahe; tumhee tyanche bhaw kadheen dusryanchya bha-wanshi tadun pahile ahet kai?
9. Tumhee tyanche June girhaik astlyamulen dusrikade mal wikat ghetan kaman nahin.
10. Kadhin-kadhin tyanan sakhar mool kimtine wikawi lagte.
11. Nafa milawilyashiwai tyancha dhanda kasa chalel ?

GUJRATHI

1. Rokad kharedi upar tamaran gharakone shoon watao apochho ? Jo watawno dar tamo wadhu karo to tamo wadhu gharako melavsho.
2. Teo Jatthabandh wepari chhe, chhutakna nathi.
3. Teo sarkari lashkari khatane Je Joitoon hoi te pooroo pade chhe.
4. Teona bhho mafaksar howathi aa warshe teone contract malyu chhe.
5. Aa prakarno mal teoe velathi mangavyo chhe.
6. Halman bajarman aa malno jatttho nathi.
7. Aj-kal teo potano mal hud-bahar mogha bhawe wechechhe.
8. Aa toe tamari bhool chhe; tame koi diwas bija wepariora bhow sathe teoni sarkhami kidhi chee ?
9. Tame teona joona gharak hondthi bije thikanethi kharedi karwinahain joie.
10. Koi-koi wakhat khand muddal bhawe teo wechechhe.
11. Nafa wagar teo potano dhando kewi rite kari shakeh ?

اس تحریر کو پڑھنے کے بعد غالباً آپ مجھے سے متفق ہوں گے کہ درمن خط نہ صرف ہندوستان کے لیے ضروری ہے بلکہ ہیروں ہند، مثلاً چین، عراق، حجاز، جلوی افریقہ اور امریکہ میں جو ہندوستانی عارضی طور پر کام کرتے ہیں یا مستعمل سکونت پذیر ہوں وہ بھی اردو زبان سے مستفہض

ہو سکتے ہیں اس لیے کہ وہ ہندوستان سے باہر دوسرے تھریز کے جاننے پر
مجبور ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اردو یا ہندوستان کا کوئی اور
رسم خط جانتے ہوں۔ ان وجوہ سے یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم
دوسرے رسم خط کو اختیار کر لیں۔

گو تمہارے موجودہ اجتماع میں رجعت پسند عنصر نظر نہیں آتا اور
اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن اگر میں آپ کی توجہ ایران، ترکیہ
اور جزائر شرق الہند کی طرف دلاؤں اور یہ عرض کروں کہ انہوں نے
مجبوری سے نہیں بلکہ خوشی سے دوسرے رسم خط کو اختیار کر لیا ہے تو
شاید نامناسب نہ ہو گا۔

آکسفورڈ

از

فضل احمد کریم فضلی

- ۱ - سناتے ہیں اک آپ کو نظم ہم
- ۲ - یہاں کی جو ہمیں خاص دلچسپیاں
- ۳ - مگر ابتداء میں ہیں اشعار کچھ
- ۴ - کہ ہے اُن میں کچھ ایسی باتوں کا ذکر
- ۵ - یہ ہے سب سے پہلے گزارش مری
- ۶ - حقیقت نظر آئے گی بے نقاب
- ۷ - بجاتے ہیں جو پادشائی کا قہول
- ۸ - جو کرتے ہیں ظاہر خیالات یوں
- ۹ - "انہیں کچھ سنا تم نے وہ واقعہ
- ۱۰ - وہ ساتھ ایک لڑکی کے آیا نظر
- ۱۱ - خدا ہی کو معلوم ہے اصل حال
- ۱۲ - ہنسی تو مجھے آئی بے انتہا
- ۱۳ - وہ حضرات یا تو گلہگار ہیں
- ۱۴ - سرے سے نہیں یا تو وہ پارسا
- بھلاتے ہیں اس طرح کچھ دل کا غم
- وہ اس نظم میں کی گئی ہیں بھان
- جو مسکن ہے خاطر یہ ہوں بار کچھ
- جو اک گونہ ہیں قابل غور و فکر
- کہ سچ پر ہے بنیاد اس نظم کی
- خلاف دیانت ہے بیجا حجاب
- موسماً ہوا کرتی ہے اُس میں پول
- جو بے پوچھے خود کرتے ہیں بات یوں
- جو کل بن رہا تھا ہوا پارسا
- بہت ست پگایا مجھے دیکھ کر
- بظاہر پریشان تھے اس کے بال
- مگر ضبط سے کام میں نے لیا
- نہیں تو گڑھاؤں پہ تیار ہیں
- اگر ہیں تو تقدیر ہے نارسا

تو وہ بھی یقیناً سبھی کچھ کریں
 نہ ہوتا گر ایسا تو تھا اک کمال
 بروز ازل نہی وہ ہے آج بھی
 نہ وہ عشق کی ناشکھی گئی
 دل نوجوان میں وہی ہے خلش
 بہلا اس پہ کیا موقع سر زنب
 نتیجہ یہ ہے جس کو دیکھو وہ چور
 زبان سے نکلتی ہے دل کی بھواس
 کہ اس نظم پر ہو نہ کوئی خفا
 حقیقت چھپانے سے کیا فائدا
 ضروری ہے جس کا یہاں تذکرا
 بھا آج کل ایک طوفان ہے
 کوئی نا خدا ہے تو کوئی خدا
 نہ مانے اسے جو وہ مردود ہے
 زبان کی لطافت پہ اکوا کوئی
 مگر قابل غور یہ نہز ہے
 خیالات کا پر اثر ہو بھان
 ذہین بس زبان کی لطافت پہ سر
 کوئی اپنی باندھ ہوئے ہے کمر
 سمجھتا ہے ان کو بھی بالکل فصول
 کہ مسجد بنا قالے دیوہ ایلٹ کی
 جو ناقابلت کا خود ہے ثبوت

۱۰ - جو مل جائے موقع مناسب انہیں
 ۱۶ - تعجب نہیں کرے سب کا یہ حال
 ۱۷ - کہ جو کھفت حسن اور عشق کی
 ۱۸ - نہ وہ حسن کی دل فریبی گئی
 ۱۹ - جوانی کے خون میں وہی ہے تپش
 ۲۰ - اس سے ہے اصناف میں یہ کشش
 ۲۱ - دیا ہے بہت ہم نے اس پر جو زور
 ۲۲ - دلوں میں تمنا نظر میں ہر اس
 ۲۳ - یہ ہے اس کے کہنے سے مطلب مرا
 ۲۴ - خفا ہونے والے سوچیں ذرا
 ۲۵ - ہے اک اور بھی بات اس کے سوا
 ۲۶ - ہماری زبان میں وہ ہیجان ہے
 ۲۷ - ہر اک اس میں خود ساختہ دھما
 ۲۸ - خدا وہ بھی جو مثل نمرود ہے
 ۲۹ - قواعد کے پھندوں میں جکڑا کوئی
 ۳۰ - زبان کی لطافت بڑی چیز ہے
 ۳۱ - کہ بس یہ ہے مقصود لطف زبان
 ۳۲ - نہ یہ ' ہم خیالات کو چھوڑ کر
 ۳۳ - زبان کا کلا گھونٹنے پر ادھر
 ۳۴ - زبان کے جو ہیں ابتدائی اصول
 ۳۵ - کمال اس کے نزدیک ہے بس یہی
 ۳۶ - کسی پر چڑھا قابلت کا بھوت

- ۳۷- تراکیب میں وہ تراش و خراش فصاحت کا دل جس سے ہو پاش پاش
۳۸- وہ بیرونی الفاظ کی تھونس تھاس کہ جس سے زبان ہی رک جائے سانس
۳۹- وہ ہے زعم میں اپنے محسوس قدر کہ اس نکتہ کی بھی نہیں ہے خبر
۴۰- یہ صنعت کا ہے انتہائی کمال کہ صنعت کا گذرے نہ اس پر خیال
۴۱- اسی پر سخن فہم حیران ہے جسے لوگ سمجھیں کہ آسان ہے
۴۲- نکالا کرے بال کی کوئی کمال کہیں ہے یہی شاعری کا کمال
۴۳- تصرف کہیں شعر کا مدعا خرافات ہے اور اس کے سوا
۴۴- یہ فتویٰ بزرگان دین متیں متانت سے دیتے ہیں بیٹھے کہیں
۴۵- کہ وہ شاعری کا اک ابلیس ہے جو بے مقصد درس و تدریس ہے
۴۶- سمجھتا نہیں کوئی طرز کلام ہو کتا ہے وہ سن کے بلبل کا نام
۴۷- ملامت کے ہو سمت تیر و سنا فرض ہے مصیبت میں شاعر کی جان
۴۸- سلامت روی کا ہے جو راستا چھپا ہے نکاہوں سے مثل خدا
۴۹- کہ موجود ہے اور ملتا نہیں نہ جب تک میسر ہو عین الیقین
۵۰- دل شاعرانہ کہ ذوق سلیم ضروری میں بہر رہ مستقیم
۵۱- بہت چاہیے اس پہ مشق سخن کہ اس راہ پر ہو کوئی کام زن
۵۲- یہاں مشق کرنے کی فرصت کسے کہی * شعر دواک یوں ہی ہو گئے
۵۳- نہیں الغرض متحرک و مشق سخن نہ کچھ اپنی جانب مجھے حسن ظن
۵۴- اگرچہ ہیں جذبات اُبلتے ہوئے قائم لے کھڑا تا ہے چلتے ہوئے
۵۵- لہذا اگر لغزشیں ہوں کہیں تو وہ مستحق ملامت نہیں
۵۶- کہ فرمایا ہے شیخ سعدی نے بھی اک اعجاز سی جن کی ہے شاعری
۵۷- ”کیا گر حویرست و گر پر نہاں بہ نا چار حشوش بود درمہاں

- ۵۸ - چوبیسے پسند آیدیت از هزار
۵۹ - یہ ہے جب کہ قادر کلاموں کا حال
۶۰ - مرے ہچکچانے کے یہ تھے سبب
۶۱ - یہاں آئے جب ہم وطن چھوڑ کر
۶۲ - یہاں کی خیالی چو تصویر تھی
۶۳ - جدھر دیکھوے کالے کالے مکان
۶۴ - کوئی انہیں خوبی نہ آئی نظر
۶۵ - نہ کرتے تھے ہم جن کی جانب نظر
۶۶ - وہی نکلے یاں درسگاہ علوم
۶۷ - بہت دل کو تکلیف پہلے ہوئی
۶۸ - مگر جب یوں ہی کچھ زمانہ کتا
۶۹ - تو وحشت بھی تیزی سے گھٹنے لگی
۷۰ - پرانے وہ بوسیدہ دیوار و در
۷۱ - وہی اب تو کرلے لگے دل میں گہر
۷۲ - کہ اب ہم کو لگتا ہے یہ بھی برا
۷۳ - عسارت سے الفت کا ہے جب یہ حال
۷۴ - کہ جتنی عسارت بظاہر کٹھف
۷۵ - زمیں کے وہ دلکش نشیب و فراز
۷۶ - نمودار اس آن سے ہیں یہاں
۷۷ - جدھر دیکھوے کوچہ * عاشقان
۷۸ - ولو واگ + اور پھر وہ گادستو
- ہمردی کی دست از تعلیق ہمار
تو کہوں ہو مجھے لغزشوں کا خہال
بہر حال کچھ عرض کرنا ہوں اب
کہیں کیا کہ دل پر ہوا کیا اثر
پہنچتے ہی وہ خاک میں مل گئی
وہ عہد کہن کی کہن داستان
کہ ویسے وطن میں بہت تھے کہلدر
جلہیں ہم سمجھتے تھے الو کا گہر
کہیں جن کو اہل نظر جائے بوم
کسی بات میں بھی نہ لگتا تھا جی
انہیں چیزوں سے انس پیدا ہو
بڑے لطف کے ساتھ کٹھے لگی
وہی جن سے ہوتی تھی زخمی نظر
انہیں سے محبت ہوئی اس قدر
کہ کہوں ان کو کہتا ہے کوئی برا
مناظر سے الفت کا پھر کیا سوال
مناظر ہیں اتلے ہی یاں کے لطف
عروس حقیقت کے سر بستہ زاز
کوئی شوق لے جیسے انگڑائیاں
عیاں عشق کی گار فرمائیاں
جلہیں دیکھ کر گدگدی دل میں ہو

- ۸۱۔ ولوواک لچکی ہوئی اس قدر کہ معشوق مشرق کی جوسے کمر
 ۸۲۔ وہ پانی کی نہریں دو طرفہ رواں
 ۱۳۔ ولو کی گھلی وہ دوریہ قطار
 ۸۴۔ وہ منظر کہ مشکل ہے جس کا بیان
 ۸۵۔ وہ ہوتی ہے کثرت پری چہروں کی
 ۸۶۔ چلی جا رہی ہیں وہ خوش ساتھ ساتھ
 ۱۷۔ کبھی کوئی سر گنگنائی ہوئی
 ۸۸۔ کوئی یار دیرینہ دیکھا اگر
 ۸۹۔ کسی بات پر ہیں خفا اس سے کر
 ۹۰۔ اگر اس کے برعکس ہے ماجرا
 ۹۱۔ تو بچنے کی کوشش اگر دور ہیں
 ۹۲۔ چلے پھر تو چپ سر جھکے ہوئے
 ۹۳۔ نہ اس وقت کچھ ہم سے کہتے تھے
 ۹۴۔ ہے بعد میں تو ملنا انہیں
 ۹۵۔ نہ مانوں تو ہم رخ بدلنے لگے
 ۹۶۔ وہ پھر ان کا ہم کو ملنا غصب
 ۹۷۔ مصیبت کے آنسو رواں ہو گئے
 ۹۸۔ کہاں تھا ولوواک کا تذکرا
 ۹۹۔ چہرے سلسلہ پھر اسی بات کا
 ۱۰۰۔ درختیں کے ہیں خول کھا خوش نصیب
 ۱۰۱۔ وہاں حسن و الفت کا یا راز ہے
 ۱۰۲۔ بہت گوشہ تار پر رمز ہے
- کہ عیاں جن کی آغوش میں مچھلےاں
 بناے ہوئے راستہ سایہ دار
 وہ ہوتا ہے اتوار کے دن یہاں
 کہ جوسے پرستان کی ہو گلی
 لیے ہاتھ میں اپنے عاشق کا ہاتھ
 کبھی جوش میں آئے دُئی ہوئی
 تو وہ مسکرا دینا منہ پھیر کر
 تو دیکھا غصب کی نظر سے ادھر
 کہ ہے ساتھ اپنے کوئی دوسرا
 بہت پاس ہیں کر تو مجبور ہوں
 گلہ کار سا منہ بڈاے ہوئے
 نہ اس حال میں ہم سے رہتے بنے
 ہزاروں بہانے بتانا انہوں
 اتنے اور خفا ہوئے چلنے لگے
 وہ دامن پکڑ کر بٹھانا غصب
 دکھے دل فرض شادماں ہو گئے
 کہاں ذکر دلچسپ یہ چہرہ گیا
 ہوا دن کا ذکر اب ہو کچھ رات کا
 چہرے جن میں ہیں عاشقان فریب
 کہ ہر سمت کہس پوس کی آواز ہے
 شب سا لیکن ہے کچھ اور شے

- ۱۰۳- وہ عشاق سے کھیلنا چاند کا
عجب ایک ہے طرفہ تر ماجرا
- ۱۰۴- وہ پتوں میں چھپ تاکڑا جھانکنا
کہیں * کھولنا اور کہیں ڈھانکنا
- ۱۰۵- کہیں روشنی اور سایہ کہیں
وہ ملنظر بیاں کرتے بلتا نہیں
- ۱۰۶- خصوصاً ہوا شوخ انداز سے
جب اس کھیل میں چاند کا ساتھ ہے
- ۱۰۷- جب اس نور و سائے میں پڑ جائے جان
ہر اک لفظ جب حسن کی بدلے آن
- ۱۰۸- جب اس طرح یکجا ہوں لہل و نہار
کریں وہ بہم رقص جب ہمنگار
- ۱۰۹- تو اس کیفیت کے بھان کے لہجے
سفن آفریں کی زباں چاہئے
- ۱۱۰- لہذا یہ ذکر اب یہیں چھوڑ کر
بیاں اور باتوں کا ہو مختصر
- ۱۱۱- جہاں ختم ہوتا ہے یہ راستا
وہاں پل ہے اک اونٹ کی پیٹھ سا
- ۱۱۲- یہاں پڑھیں دو تین بجزے پڑے
بہت جن کے مملون ہیں دل جلے
- ۱۱۳- کہ جائے پناہ غریباں ہے یاں
بہار † وصال جھپاں ہے یاں
- ۱۱۴- بہت کم کو معلوم ہے یاں کی راہ
پہنچتی نہیں یاں عدو کی نگاہ
- ۱۱۵- ہوا اور پانی سے بھی ہے مضر
غرض عشق والے ہیں یاں بے خطر
- ۱۱۶- اگر ایک طرف تھمس ہے شاخ شاخ
دل پورٹ مہدوز ‡ بھی ہے فراع
- ۱۱۷- جو ہوتا ہے یاں چاندنی کا اثر
نہ بھولے گا ہم کو کبھی عمر بہر
- ۱۱۸- یہاں وقت ہم نے گذارا بہت
کہ لگتا تھا جی یہاں ہمارا بہت
- ۱۱۹- جگہ یہ ہے کچھ اس بلا کی حسین
کہ بس جی میں آتا ہے رھئے یہاں
- ۱۲۰- لئیے اپنے دل میں بڑے واولے
یہاں سے رہا گدستو پر چلے
- ۱۲۱- لب تھمس جاتی ہے وہ اس طرح
تکی بیل ساری پہ ہو جس طرح
- ۱۲۲- اُدھر اک طرف پورٹ مہدوز ہے
کئی مہل تک جلوۂ انروز ہے

* کہلتے جانے میں تھانتے جانا خواجہ میر اثر -

† بہار وصال رفیقان ہے آج ' میر حسن - ‡ Pout meadows ایک نہایت وسیع سبزہ زار کا نام -

- ۱۲۸ - وہ جہرمٹ گل انداموں کا الامان جو سچ سچ مجسم ہیں اک گلستان
- ۱۲۹ - وہ گرمی کی پوشاک زیب بدن بلے ہیں وہ جس سے چمن در چمن
- ۱۳۰ - ہر اک سست ہیں درو پہلوں لگی نمایاں ہے انداز سے بے کلی
- ۱۳۱ - طرف دار جو ہیں برا ان کا حال حلقی پہاڑ پہاڑ اور آنکھیں نکال
- ۱۳۲ - ہک اپ چھٹے فل مچاتے ہوئے دوران ہیں وہ گرتے گراتے ہوئے
- ۱۳۳ - بہت خوب ہیں گو یہ دلچسپیاں مگر چاروں کے مقابل کہاں
- ۱۳۴ - نہیں اس پہ دریا کا ہوتا گمان اسے ہم سمجھتے ہیں نہر جتان
- ۱۳۵ - نہ پتلی بہت اور نہ چوڑی بہت نہ چھپیلی بہت اور نہ گہری بہت
- ۱۳۶ - پھٹا پوتا ہے حسن ہر چیز پر کدھر کوئی دیکھے نہ دیکھے کدھر
- ۱۳۷ - کھلے ہیں یہاں عشق کے پارے تھس مہم ہے قدرت بے نفس نفیس
- ۱۳۸ - اسی کا یہ ہے فہر محسوس اثر کہ جس سست بھی ڈالوے اک نظر
- ۱۳۹ - یہی دیکھنے کا کہ ہو با مراد حیات دو روزہ کی دیتا ہے داد
- ۱۴۰ - وہ نہتوں * میں باجوں کے بجائے کاشور مسرت کے دریا میں سب شور و ہور
- ۱۴۱ - کہیں تھتھ ہیں کہیں چھچھ کہیں کہیں تھتھ ہیں کہیں چھچھ
- ۱۴۲ - پر پتھروں کا ہر طرف وہ ہجوم جلیں دیکھے کر بھول جائوں علوم
- ۱۴۳ - وہ بال ان کے سر پر اچھلتے ہوئے تھم لبوں پر مچلتے ہوئے
- ۱۴۴ - وہ ہلستے ہوئے اردو ہلستے ہوئے بگڑتے ہوئے ملے ملتے ہوئے
- ۱۴۵ - وہ پھٹتے ہوئے اور پلاتے ہوئے چلے آتے ہیں دل لہاتے ہوئے
- ۱۴۶ - وہ پانی میں عکس ان کے بہتے ہوئے کہ بلتا نہیں کچھ بھی کہتے ہوئے
- ۱۴۷ - جہاں دیکھا اس طرح آتے ہوئے چلے ہم بھی کشتی بڑھاتے ہوئے
- ۱۴۸ - کبھی ہم کو سوجھی شرارت اگر تو کشتی لڑا دی ڈرا پھوڑ کر

- ۱۵۹- اناری پلے کا کہا اعتراف خطا اس طرح سے کرائی معاف
 ۱۶۰- جو تھور کو دیکھا بدلتے ہوئے تو Sorry کہا اور چلتے ہوئے
 ۱۶۱- سمجھہ دار قسمت سے نکلیں وہ گر تو سمجھیں ہمیں چوتھا مد نظر
 ۱۶۲- ہنس میں ہو گئیں خوب باتیں شروع محبت کی دلچسپ کہانیاں شروع
 ۱۶۳- طبیعت ملی آگے پیچھے چلے کبھی پلٹ سے پلٹ باندھے چلے
 ۱۶۴- چلے تو مگر دل دھوکتا ہوا چراغ سحر سا بھوکتا ہوا
 ۱۶۵- سب اس مصیبت کا ہ اپنا رنگ بہت جس سے دھتے ہیں ہم لوگ تلک
 ۱۶۶- وہ کالج کے لڑکوں پہ قیدیں ہیں یاں کہے جس پہ تہذیب نوالا ماں
 ۱۶۷- نہیں سہل کچھ ان سے بچنا ہمیں ہمارے لئے ہیں بڑی دقتیں
 ۱۶۸- جو کورے ہیں تھوڑی سے ان کو اماں کہ رنگ اس طرح ہے سبھی کا یہاں
 ۱۶۹- مگر جو نظر آئے کالے کہیں ہوا اہل کالج کا ان پر یقین
 ۱۷۰- کسی طرح ان کو نہیں ہے مگر پورا کرتی ہے سب کی ان پر نظر
 ۱۷۱- غرض ایسی ہیں ہم کو دشواریاں بہت جن سے دھتی ہے مشکل میں جاں
 ۱۷۲- کبھی * معتصب کی نکا ہوں قادر ”رقتب سیہ رو“ کی آہوں کا قدر
 ۱۷۳- کبھی ہم نشہ میں کے مڑوں قادر بہت یوں ہی اور چیزوں کا قدر
 ۱۷۴- انہیں سب توروں نے ستایا بہت مگر لطف بھی ہم نے پایا بہت
 ۱۷۵- کسی نے نہیں ہے بہت سیج یہ بات خطر ہی کے اندر ہے لطف حیات
 ۱۷۶- سید سر جو دیکھا کسی جافراز تو جھٹ ہو گئے پلٹ میں ہم دراز
 ۱۷۷- لگے پڑھنے اس شان سے پھر کتاب کہ جیسے نہیں ہے وہ رخ کی نقاب
 ۱۷۸- بلا تل گئی کھل کھلا کر ہنسنے کبھی ہنستے ہنستے بڑے ہم پھلنے

* معتصب (proctor) جو یونیورسٹی کی طرف سے لڑکوں کی اخلاقی نگرانی کے لیے تعینات

کیا جاتا ہے اور جسے سزا کے پتے اختیارات ہوتے ہیں —

- ۱۷۹- اسی طرح ہم قرتے قرتے چلے گئے تو بیتے گئے ابھرتے چلے
 ۱۸۰- اگرچہ تماشا تھے ہم آپ ہی تماشے مگر دیکھے اردوں کے بھی
 ۱۸۱- چلانا اناڑی کا تو در کے پلٹ وہ پلٹوں کا چلنا ادھر آنت سلامت
 ۱۸۲- کسی کو نے نہیں کوئی اتکا ہوا کسی قاتل میں کوئی لٹکا ہوا
 ۱۸۳- کسی کا کہیں پول ہی رہ گیا کسی ایکے پلٹ اک طرف بہ گیا
 ۱۸۴- کبھی کوئی پانی میں دھو سے گرا کبھی کوئی پانی میں دھو سے گرا
 ۱۸۵- کہیں پر نہاتے ہیں یوں مہارو کہ زاهد کا ہر لحظہ ٹوٹے وضو
 ۱۸۶- بدن ان کا قدرت کی جادوگری کہ اک * شاخ گل بلنگئی ہے پری
 ۱۷۸- کہیں دھوپ کا خشک اشدان ہے نرالی اس اشدان کی شان ہے
 ۱۸۸- نہ اس پر نگاہیں جماتے بلے نہ اس سے نگاہیں ہٹاتے بلے
 ۱۸۹- کداری پہ جاری کہیں ناچ رنگ کہیں پر چھڑی ہے محبت کی جنگ
 ۱۹۰- اکٹھا کہیں عشق والے بہم کسی بات کا کوئی کھٹکا نہ غم
 ۱۹۱- سکون و مسرت کی دولت لہے شراب محبت بہ کثرت پھے
 ۱۹۲- ادھر ان کی محبت تھکانے لگی طبہعت ادھر سانس نہ لگی
 ۱۹۳- ہوئی اپنی قسمت بھی گر سازگار تو پھر ہم ہیں اور داد فصل بہار
 ۱۹۴- کسی گوشہ عافیت میں کہیں ہوئے جا کے چپکے سے خلوت گزیریں
 ۱۹۵- گہلا سر پہ سایہ بچھا فرش آب وہ دوبار زیرک * وہ دنیا ئے خواب
 ۱۹۶- رنگوں میں لہو یا شراب طہور دلوں میں عجب طرح کا اک سرور
 ۱۹۷- نشہ + وہ کہ زاهد کو بھی جو حلال بدن پر کھڑے جس سے ہو جائیں بال

* دوبار زیرک راز بادۂ کھن دو ملے (حافظ) —

+ صحیح تلفظ نشہ آسانی سے آسکتا تھا، 'وہ' پہلے کر دینے سے، مگر چونکہ ہم اردو میں نشہ نہیں کہتے بلکہ نشہ کہتے ہیں اس لیے میں نے تصداً نکلا ہی رکھا، یہ دانستہ قصور اگر قابل معافی ہو تو معاف کی جائے —

- ۱۹۸ - رکھ دوں جو سارے مہمل خیال زہ انفعال و خیال مآل !
- ۱۹۹ - کہاں کا عذاب اور کہسا ثواب شباب و شباب و شباب و شباب !
- ۲۰۰ - غضب اس پہ لطف مذاظر غضب وہ قدرت کی ہر سمت بزم طرب
- ۲۰۱ - وہ شاخیں درختوں کی سا فرید دست کہ جیسے مجسم کف سے پرست
- ۲۰۲ - قیامت وہ چیزوں کی مدھوشیاں وہ مدھوشیاں وہ طرب کوشیاں
- ۲۰۳ - بھدک کر کبھی آئیں اس دال پر کبھی اُڑ رہی ہیں ادھر سے اُدھر
- ۲۰۴ - چہکتی ہوئی چہچہاتی ہوئی دلوں کی امنگیں بڑھاتی ہوئی
- ۲۰۵ - فسوں مصیبت پڑھاتی ہوئی تمنائیں دل میں جگاتی ہوئی
- ۲۰۶ - خیالوں کی تکذیب کرتی ہوئی عقودوں کی تخریب کرتی ہوئی
- ۲۰۷ - کبھی چونچ پھولوں سے ملنے لگیں دل مضطرب کو مسئلے لگیں
- ۲۰۸ - کبھی خرد بخود ہی جھگڑنے لگیں پروں ارد چونچوں سے لڑنے لگیں
- ۲۰۹ - کبھی تھک کے آبیٹھا پاس پاس کسی بات کا غم نہ کوئی ہراس
- ۲۱۰ - وہ پھر ان کی آس میں سر کوشیاں کہ جیسے حقیقت کی ہیں راز داں
- ۲۱۱ - وہ قدرت کا ہر سمت سے یہ پیام پئے عشق ہی ہے یہ سب اہتمام
- ۲۱۲ - درختوں کی شاخیں بھی ہیں پردہ پوش غفورست * ایزد تو ساغر بنوے
- ۲۱۳ - فرض یوں ہی پیتے پلاتے چلے نہا لطف ہو جا اٹھاتے چلے
- ۲۱۴ - برا کہوں کہیں پیلے والوں کو ہم کہیں گر تو انصاف پر ہے ستم
- ۲۱۵ - کسے پھر نہ پیلے کی ہو آرزو جو خود دے کوئی ساغر مشکبو
- ۲۱۶ - خصوصاً مذاظر ہوں جب دلفریب تو پھر صبر کہسا کہاں کا شکیب
- ۲۱۷ - جہاں ختم ہوتی ہے کشتی کی راہ + تقدس مآبوں کی ہے عیش گاہ

* میر حسن -

+ Parson's Pleasure کا ترجمہ یہ جگہ مردوں کے لیے مضموس ہے وہ یہاں بڑھتا

رہتا ہے ، کبھی چشمہ آفتاب میں غسل کرتے ہیں کبھی دریائے چارول میں -

- ۲۱۸ - اے کہتے ہیں ہم * عراق عرب یہاں پر اترتے ہیں کشتی سے سب
 ۲۱۹ - کہ جن کو نہیں فخر صلف ذکور خرواں خرواں چلیں تھوڑی دور
 ۲۲۰ - پہلا بی بی حوا کا واں کون کام جہاں پر ہوں آدم علیہ السلام
 ۲۲۱ - اُدھروہ گٹھیں اُن کے ساتھی اُدھر چڑھاتے ہیں کشتی کو + دولرس پر
 ۲۲۲ - وہ پھر دو ملت بعد باہم ملے ملے اور بدستور آگے چلے
 ۲۲۳ - بڑی دور تک ہے یہی ماجرا اسی لطف پیہم کا اک سلسلہ
 ۲۲۴ - مبارک ہوں یہ آپ کو لطف سب وطن کو چلے ہم تو افسوس اب
 ۲۲۵ - وہاں چار ول کی سی باتیں کہاں وہاں یاں کے دن یاں کی راتیں کہاں
 ۲۲۶ - یہ دریا کہاں یہ کنارے کہاں یہاں کے سے واں 'چاند تارے' کہاں
 ۲۲۷ - یہیں یہ کہ واں 'چاند تارے' نہیں بہت ہیں پہ + 'ندیا کنارے' نہیں

۲۲۸ - یہ مانا کہ فضلی ہو تم خوش کلام

مگر سن چکے ہم بہت والسلام

* Mesopotamia کا ترجمہ 'یہی اس جگہ کا نام ہے —

† Rollers یہ ایک طرح کے گھومتے ہوئے دانتوں کا زینٹا ہے جس کے ذریعہ سے کشتی دریا

کے مصنوعی بند کر کے پار کر Parson's Pleasure میں داخل ہوتی ہے —

‡ 'چندا ماسوں آ رہے آؤ پارے آؤ ندیا کنارے آؤ' —

خراب آباد

(ٹی۔ ایس۔ ایلوٹ کی نظم The Waste Land کا اردو نثر میں ترجمہ)

از

عزیز احمد صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) یونیورسٹی کالج لندن -

(مسٹر ٹی۔ ایس۔ ایلوٹ ہی کے نام جن کی اجازت سے ان کی اس عظیم الشان نظم کا ترجمہ

میں اردو میں پیش کر رہا ہوں، میں اس ترجمے کو معنون کرتا ہوں - عزیز احمد)

تہذیب

جنگ عظیم کے بعد سے یورپ جس سہاسی اور معاشی کشمکش میں مبتلا ہے اس کا اثر یورپ کے ادب پر براہ راست پڑ رہا ہے۔ شاعری محض بے کاری کا مشغلہ نہیں رہی، بلکہ ایک مجروح تمدن کی درد ناک داستان ہے۔ گذشتہ جنگ سے کہیں زیادہ ہولناک خطرہ آنے والی جنگ کا ہے، فضا میں ہر طرف بے اطمینانی سی ہے اور یہی بے اطمینانی یورپ کی جدید شاعری میں بھی نظر آتی ہے۔ انگلستان، یورپ کے دوسرے ممالک کے مقابلے میں کس قدر قدامت پسند ہے۔ جدید تصویریں یہاں دیر میں پہنچتی ہیں، لیکن اس میں کوئی شک،

نہیں کہ جب یہ تحریکوں یہاں پہنچ جاتی ہیں تو انگریزی شاعری کے رنگ،
میں رنگ کر عجیب و دلکش شاہکاروں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔

جنگ عظیم کے بعد سے مختلف شاعروں کے کلام میں بے چینی کے اثرات موجود
تھے، لیکن یہ زیادہ تر ذاتی تھے، کوئی انقلاب انگیز تحریک ان کی تھی، میں کام
نہیں کر رہی تھی۔ جنگ عظیم کے بعد کے مشہور شعرا، 'مسٹر جان مسفلڈ'
'رابرٹ برجس' انگریزی شاعری کی کہلے روایات کو برقرار رکھنے پر تلے ہوئے
تھے۔ جزائر برطانیہ کا سب سے بڑا شاعر 'ڈبلیو۔ بی۔ یٹیس' ایک بالکل مختلف
پیغام لے کر آیا تھا، لیکن اس کا پیغام اپنی مادر وطن آئرستان کے لیے تھا۔
اس کے الفاظ اور خیالات سلجھے ہوئے تھے، اس کی شاعری میں درد تھا،
جوہں نہیں تھا۔

نظم سے پہلے بے چینی کی لہر نشر میں دوڑ گئی۔ اور تین مشہور نثر نگاروں
کے ناولوں میں یورپ کی درد انگیز داستان، سرمایہ داری اور خونریزی کے
خلاف ایک نہم مجنونانہ صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ 'جس میں جائس'
'آلڈوس ہکسلی' اور 'ڈی۔ ایچ۔ لارنس' کی کہانیوں اور ناولوں سے انگریزی
ادب میں اس جدید تحریک کی نشوونما ہوئی جو روس میں 'بکھارن' اور
'شلب خوف' جرمنی میں 'طامس مان' فرانس میں 'آندریہ بریتوں'
'لوئی ایراکون وغیرہ کی کوششوں سے ایک خاص شکل اختیار کر رہا تھا۔ اور
سرمایہ داری اور سرمایہ پرستی کے ہولناک انجام کے تصور کو پیش کر رہا تھا،
حال کے زخموں سے مستقبل کی موت کا اندازہ کر رہا تھا۔ اور کم و بیش کہیں
کہیں کھلا اور کہیں درپردہ اشتراکیت کی تلہن کرنے لگا تھا۔

انگریزی شاعری میں اس تحریک کو باقاعدہ پیش کرنے کا سہرا دو
شاعروں کے سر ہے۔ ایک تو مسٹر ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ (T. S. Eliot) جن کے شاہکار

کا ترجمہ ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں ' دوسرے ان کے دوست اور رفیق مسٹر ایڈرا پونڈ (Ezra Pound) ان دونوں کی نظموں کے ساتھ جگید انگریزی شاعری کے جسم و روح میں تبدیلی ہونے لگی —

مسٹر ایلیمٹ نے انگریزی شاعری میں اس تحریک کی ابتدا تو کی مگر وہ اس کے علم بردار نہیں رہے۔ بہت جلد وہ اس کشمکش سے نلگ آگئے۔ اور انہوں نے مذہب کے دامن میں پناہ لے لی۔ انگلستان کی نئی پودان کی حال کی شاعری کو رد عمل اور پستی کی شاعری سمجھتی ہے مگر ان کی ابتدائی شاعری کی عظمت ان کی شہرت اور انگریزی ادب میں ان کی حیثیت قائم رکھنے کو کافی ہے۔ ان کی یہ نظم جس کا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ' ہر اعتبار سے انگریزی شاعری میں بیسویں صدی کی بہترین پیداوار کہی جاسکتی ہے۔ یہ اس غہر معمولی ذہنی کشمکش کا نتیجہ ہے ' جب وہ موجودہ دنیا کے ہلکامیہ کو اور تباہی کے مظہر کو دیکھنے ' سمجھنے ' اور سلجھانے کی کوشش کر رہے تھے ' ان کے ذہن میں ایک کشمکش سی تھی کہ کس کا ساتھ دیں ' پرانی دنیا کے پرانے اصولوں کو اختیار کریں یا اشتراکیت اور جدید تحریکوں کے ساتھ ہو جائوں۔ جس طرح انقلاب فرانس کے بعد ایک اسی قسم کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد ملک الشعراء انگلستان " ولیم ورد سوڈتھ " نے ایک " فطوری مذہب " میں پناہ لی ' اُسی طرح اس ہلکامیہ سے تھک کر ' اور جوش و اُمید کے فقدان کے باعث مسٹر ایلیمٹ نے " عیسائی مذہب " میں پناہ لی "۔ خراب آباد " The Waste Land اس اعتراف شکست ' سے پہلے کی نظم ہے۔ اور ان کی غہر معمولی ذہنی کشمکش کا اُٹھلہ ہے ' جس میں بیسویں صدی کی ذہنی کشمکش منعکس نظر آتی ہے —

ذیل میں ہم " مسٹر جان اسٹریچی " مشہور انگریز عالم معاشیات کا

تجزیہ پیش کرتے ہیں —

”اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری چند سال کے عرصہ میں شاعروں کا ایک نیا گروہ اُتہ بکھڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ باوجود انگریزی ادبیات کی مکمل تحصیل و تائر کے ایک بالکل نئی نوع سے ہیں، اور اب تک انگلستان میں جن انواع کی شاعری نے نشو و نما پائی وہیں اُن سب سے بے حد مختلف ہیں۔ وہ شاعری کے پرانے اصول کی پابندی ناممکن سمجھتے ہیں۔ شاعروں کے اس مکتب کی سب سے زیادہ اہم پیداواراوستوٹی۔ اس - ایلٹ کی نظم The Waste Land جو ایک حساس طبیعت پر اپنے پورے نظم معاشرت کے انحطاط کے رد عمل کا ایک فہر معمولی نمونہ ہے نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ یہ سلہ ۱۹۲۲ ع میں شائع ہوئی اور اُس زمانے میں لکھی گئی تھی، جب جنگ عظیم کے بعد یورپ کی سرمایہ داری ابتلا کے سخت ترین مراحل طے کر رہی تھی۔ ”خراب آباد“ The Waste Land دوز جدید کی اہم ترین انگریزی نظم ہے۔ اس نظم میں ایک قدیم طرز معاشرت (جو کبھی بہت مضبوط تھا) کے مکمل و درد انگیز انتشار کی کھنٹ انتہائی وضاحت سے ظاہر ہوتی ہے۔“

اس قدر ابتدائی تسہد کے ”اردو نظم کا پس منظر سمجھنے“ کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس نظم کی ہئیت کے متعلق کچھ لکھا جائے۔ اُردو کے ناظرین کے لیے یہ نظم بالکل اچھی کی چیز ہوگی۔ خود انگلستان کے لیے یہ اسلوب، اور یہ نفس مضمون بالکل نیا ہے۔ بکثرت تشریحیں اس نظم کی لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔

اس نظم کا اسلوب جدید یورپی شاعری کا اسلوب ہے۔ اس اسلوب کا سب سے بڑا گریہ ہے کہ ادب اور زندگی، خیال اور حقیقت کے درمیان سے پردہ اُٹھا دیا جائے۔ زیادہ صاف الفاظ میں یہ کہ شاعر یا ادیب زندگی کی نقاشی بھی

کرتا جاے ' اور ساتھ ہی ساتھ بے تکلفی سے اُن خیالات کو بھی بیان کرتا جاے جو اُس کے دل میں پیدا ہوتے جاتے ہیں - کہو نیکہ زندگی کے مطالعے میں شاعر کی نظر کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے - شاعر کی نظر زندگی کو ایک خاص رنگ میں دیکھتی ہے - شاعر محض دیکھتا ہی نہیں ہے محسوس بھی کرتا ہے - اب تک شاعری کا اصول یہ رہا تھا کہ نظر اور احساس کو دو مختلف شعبوں میں الگ الگ رکھا جاے - جدید شاعری اس اصول کے خلاف ہے - نظر اور احساس ایک دوسرے پر منحصر ہیں ' وہ زندگی کو مل کر دیکھتے ہیں اور مل کر محسوس کرتے ہیں - پس ضرورت اس امر کی ہے کہ نظر اور احساس کے درمیان جو پردہ تھا وہ گرا دیا جائے - شاعر جو دیکھے اور جو محسوس کرے ' بلا لحاظ ترتیب و تشریح بیان کرتا جائے -

یہ تو جدید یورپی شاعری کا عام اسلوب تھا جو بعض حلقوں میں مثلاً فرانس کے "بالاے حقیقت" (Surrealist) طبقے میں انتہا کو پہنچ گیا ہے ' مستر ایلہٹ کے ہاتھوں میں یہ اسلوب ایک خاص صورت اختیار کر لیتا ہے - ان کا تخیل اکثر مثالیت (Symbolism) کے مراحل سے گذرتا ہے اور زندگی کو "مثالوں" میں دیکھتا ' سمجھتا ' اور پیش کرتا ہے - اس رجحان کا باعث بڑی حد تک اُن کا وسیع مطالعہ ہے - وہ کئی زبانوں کے ادب پر عبور کامل رکھتے ہیں ' اور مختلف مذاہب کا انہوں نے کافی مطالعہ کیا ہے - اُن کی نظم ایک مکمل "مثال" ہے ' جو کئی چھوٹی چھوٹی مثالوں سے تعبیر ہوتی ہے -

قبل اس کے کہ ناظرین نظم کو پڑھیں ' نظم کے تھانچے کو ' اور اُن مثالوں کو جو وہ پیش کر رہی ہے ' سمجھ لینا ضروری ہے -

سب سے پہلے تو یہ کہ نظم کی "مثالیت" کا دار و مدار مس دیسٹن (Miss Weston) کی کتاب (From Ritual to Romance) بڑی حد تک ہے -

دوسری کتاب جس کا اثر اس نظم کی تعمیر پر پڑا ہے ' سر جیمز فریزر ' (Sir James Frazer) کی کتاب Golden Bough ہے ان دنوں کتابوں میں اس موضوع پر بحث کی گئی ہے کہ قدیم ترین زمانے میں قدیم لوگوں کے تخیل میں جازے میں آفتاب کی حرارت کے کم ہو جانے اور پھر گرمی میں حرارت اور آفتاب کی قوت کے فروغ کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ قدیم علم الاسما میں کئی قصوں کا دار و مدار اسی تخیل پر ہے کہ سرما میں آفتاب کمزور ہو جاتا ہے اور زمین مردہ سی ہو جاتی ہے گرمی کے موسم میں پھر آفتاب میں گرمی آ جاتی ہے اور دنیا میں نئے سرے سے زندگی شروع ہوتی ہے مس ویسٹمن کا نظریہ یہ ہے کہ موت اور قیامت کا تخیل اسی قدیم تخیل پر مبنی ہے قدیم مصری لوگ آفتاب دیوتا کی موت ' اور نئی زندگی کا تہوار مناتے تھے۔ اس تہوار میں بہت سی جلسی نشانیاں بھی ہوتی تھیں۔ یہی تخیل عیسائی مذہب میں موت اور قیامت کے تصور کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ہمارے ناظرین میں سے اکثر قیامت میں آفتاب کی حرارت کے تصور ' نئی زندگی ' اور برہنہ (جلسی خیالات کا اثر) اُٹھ کھڑے ہونے کے تخیل سے واقف ہیں۔ یہ تخیل ' قدیم صوم پرستوں میں پیدا ہوا اور یہودیت اور عیسائیت کے منازل سے ہوتا ہوا پہنچا ہے۔

مستقر ایلہمت کی نظم اپریل میں (گرمی کے موسم کی ابتدا کے زمانے میں) شروع ہوتی ہے۔ جازے کا موسم (جلگ عظم) ختم ہو چکا ہے ' اور دنیا قیامت کی منزل سے گزر رہی ہے۔ اپریل کا مہینہ تو ہے لیکن قیامت کی زندگی ' مردوں کی زندگی ہے۔ ہر طرف انحطاط اور زوال کا منظر پیش نظر ہے۔

اس کے بعد نظم کے مختلف حصے جدید طرز معاشرت ' اور جدید تمدن کے مختلف بے کیف اور درد انگیز مظاہر پیش کرتے ہیں۔ آخری حصے میں شاعر کا دل سکون تلاش کر رہا ہے۔ جازے ختم ہو چکے ہیں ' اگرچہ کہ زندگی ہر طرف

منقول ہے لیکن اُمید کو ”شانتی“ کا سہارا مل جاتا ہے - یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ”شانتی“ سے مستعرا یلمت کا کہا مطالب ہے - بہت سے شاد حوین کہتے ہیں کہ شاعر زندگی کی اس ہولناک کیفیت سے پریشان ہو کر مذہب میں پناہ لے رہا ہے - اور آخر کار ہتھار ڈال رہا ہے - بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ”شانتی“ سے ان کا مطالب محض ایک طرح کی موہوم سی اُمید ہے -

اب ہم نظم کے مختلف حصوں پر ایک مختصر سی سرسری نظر ڈالوں گے تاکہ پوری نظم کا سلسلہ سمجھ سکیں آجائے - ناظرین نظم کو پڑھنے سے پہلے اس تشریح کو ضرور ملاحظہ فرمائیں :-

۱ - نظم گرما کی آمد، اور جازوں کے احساس سے شروع ہوتی ہے - اس کے بعد ایک اعلیٰ خاندان کی عورت جواب غالباً جنگ عظیم کے باعث تباہ ہو گئی اپنی زندگی کی بے لطف داستان سناتی ہے - اُس کے بعد یورپ کی موجودہ تباہ حالت کی طرف اشارہ ہے - نقشہ قیامت کا ہے، جس میں اگر آفتاب کی حرارت سے سایہ مل سکتا ہے تو صرف ایک سرخ چٹان کے نیچے - شاعر کی لے میں جوش و جنون کا سا اثر پیدا ہوتا جاتا ہے وہ راہبری کرنا چاہتا ہے اور نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ ’واگنیر‘ کا ایک گھٹ الاپے لکتا ہے -

اُس کے بعد ’ہایا ملتہ‘ والی لڑکی کا قصہ چھیڑتا ہے، اور ایک منقول احساس پر ختم ہوتا ہے پھر ایک فیشن ایبل عورت ’مادام سو سو سترس‘ نظم کے پردے پر نمودار ہوتی ہے جو لوگوں کی قسمتوں کا حال بیان کرتی ہے - ان میں سے ایک شخص ”فونیتی ملاح“ نظم میں بار بار نظر آتا ہے - وہ فونیتی ملاح (زمانہ حاضر کے تاجر) کی غرقابی کی پیشین گوئی کرتی ہے - یہی تاجر نظم کے حصہ سوم میں مسٹر ’یو جے نی ڈس‘ تاجر سمرنا کی شکل میں پھر نمودار

ہوتا ہے اور شاعر کو کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ چوتھے حصے میں اسی تاجر ’فلہباس فونیقی‘ کے فرقاب ہو جانے پر عورت کی ہے۔ —

مادام سو سو ستروس کی پیشین گوئیوں کے بعد شاعر لندن کے گھر میں ایک مجمع کا حال بیان کرتا ہے جہاں وہ اپنے ایک دوست سے ملتا ہے جس نے اپنے باغ میں ایک لاش بوئی تھی۔ شاعر اس سے پوچھتا ہے کہ لاش سے کوئی پودا پھوٹ نکلا یا ابھی نہیں۔ اس سماعے کا حل بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ دار نے مزدور کی لاش زمین میں بوئی ہے اور اس کا متوقع ہے کہ اس لاش سے درخت پھوٹ نکلے اور وہ اس درخت کا پھل کھائے۔ یہاں نظم کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے —

۲۔ نظم کے دوسرے حصے کا عنوان ”شطرنج کی بازی“ ہے۔ یہ حصہ جدید معاشرت کے دو مختلف و متضاد مذاظر پیش کرتا ہے پہلے حصے میں ایک امیر عورت اور اُس کے ساتھیوں کی داستان اُس شان و شوکت کو پیش نظر رکھنے کے بیان کی گئی ہے جو شکسپیئر نے کلیو پیڑا کی کشتی کے بیان میں استعمال کی تھی۔ لیکن باوجود اِس تمول اور چمک دمک کے یہ زندگی بالکل مردوں کی زندگی ہے، کوئی لطف نہیں، کوئی جوش نہیں، کوئی خواہش نہیں۔ دوسرا منظر ایک شراب خانہ ہے، جہاں معمولی مزدور پھسے لوگ جمع ہیں۔ شراب خانے کے بددھونے کا وقت آگیا ہے اور شراب خانے کا مالک بار بار چلا رہا ہے، ”جلدی کرو بھئی رقت ہو گیا ہے“۔ یہ جملہ بجائے خود بہت معنی خیز ہے۔ یہ دور جدید کی مصروفیت اور دور جدید کی تباہی کا بھوک وقت آٹھلہ دار ہے۔ شراب خانے میں ایک عورت اپنی ہمسنائی کا قصہ بیان کر رہی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتی۔ اس میں انتہائی صفائی سے اور چہیتے ہوئے الفاظ میں غریب عورتوں کے قبل از وقت

ہوڑھا پے کی تصویر کھینچی گئی ہے —

نظم کے اس دوسرے حصے میں شاعر براہ راست معاشوت کے ان دو طبقوں کا فرق دکھاتا ہے۔ غریب اور مزدور طبقے کی تباہی اور خستہ سامانی اور امیر طبقے کی بے لطف و بے کیف زندگی —

۳۔ نظم کے دوسرے حصے کا نام شاعر نے ”آتشیں وعظ“ رکھا ہے۔ یہ عنوان گوتم بدھ کے مشہور ”آتشیں وعظ“ کو دیکھ کر سوچا ہے۔ اس حصے کا منظر دریائے تیمز کا کنارہ ہے۔ نظم کی ابتدا خزاں کے موسم سے ہوتی ہے۔ بہار کے تفریح کرنے والے رخصت ہو چکے ہیں اور دریا کے کناروں کی دیوانی گویا انسانی تمدن کی ویرانی کا مرقع ہے۔ ایک خیال شاعر کو دوسرے خیال تک پہنچاتا ہے اور وہ جو کچھ سوچ رہا ہے ان لاتعداد کتابوں کی روشنی میں سوچ رہا ہے جو اس نے پڑھی ہیں۔ اس کے بعد شاعر کی ملاقات سمرونکے تاجر ’مسٹر یو جے نی ڈس‘ سے ہوتی ہے۔ یہ وہی کردار ہے جس کا پہلے حصے میں ’مادام سو سو سترس‘ کی پیشین گوئی میں ”غرقاب فونہقی ملاح“ اور ”یک چشم سوداگر“ کے نام سے ذکر کیا گیا تھا۔ نظم کے چوتھے حصے میں ’مسٹر یو جے نی ڈس‘ مکمل طور پر غرقاب فونہقی ملاح کے کردار میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد شاعر نیم مرد اور نیم عورت ’ٹائرسس‘ (جو مرد و عورت کا مجموعہ ہے) کی شکل میں ایک ٹائٹھپسٹ لڑکی اور اس کے خود غرض عاشق کے معاشقے کا منظر بیان کرتا ہے اس کے بعد شاعر دختران تھمڑ کے گیت سنتا ہے۔ یہ گیت اصل میں شاعر کے تخیل کے مطابق تین عورتوں کی داستانیں ہیں جو کشتیوں میں دریا کی سہر کر رہی ہیں۔ شاعر عیش پرستی اور شہوت پرستی کی اس نفی سے پناہ مانگتا ہے —

چوتھے حصے میں ’یو جے نی ڈس‘ (یک چشم تاجر) یا فونہقی ملاح کی

غرقابی کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ یہ غرقابی گویا جدید تمدن کی سرمایہ داری اور تجارت کی غرقابی ہے۔

پانچویں حصے کی ابتدا تباہی اور بربادی کے منظر سے ہوتی ہے گویا قہامت آچکی ہے۔ شاعر ایسے مقام پر ہے جہاں ”محض چٹان ہی چٹان ہے اور پانی نہیں“ ہر طرف موت ہے کہیں زندگی کے حقیقی آثار نہیں۔ اس کے بعد ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں شاعر قطب شمال کی ایک سیاح جماعت کے ایک واقعے کو مستعار لیتا ہے کہ جب سردی کی شدت اور سفر کی زحمت سے مسافروں کی طاقت ختم ہو گئی اور حواس جواب دینے لگے تو ان کو اصل تعداد سے ایک آدمی زیادہ نظر آنے لگا۔ اور وہ حیران تھے کہ یہ اجنبی کون ہے۔ اس کے بعد مشرقی یورپ کی تباہی اور بربادی کے مختلف مناظر پیش کیے گئے ہیں۔ مشرقی یورپ کے مسالک کو گذشتہ جگہ عظیم نے بالکل تباہ کر دیا۔ اس کے بعد شاعر پھر پہاڑ (چٹان اور پانی) کی تلمیح کی طرف واپس پلٹتا ہے۔ بالآخر ”کالے کالے بادل دور دراز ہما وِنت پر چھا گئے“ اور پانی برسنے لگا۔ یہ گویا قہامت کے بعد سردیوں کا زندہ ہونا ہے۔ یا جدید سرمایہ دارانہ تمدن کی موت کے بعد ایک نئے تمدن کی ابتدا ہے پانی کے ساتھ گرج کی آواز سے تھن سنسکرت الفاظ سنائی دیتے ہیں۔ ”دت“ دیدھم، دمہت“ (دے، ہمدردی کر، قابو رکھ) اور شاعر ان الفاظ کی تلمیحات میں تشریح کرتا ہے۔ ابھی تک شاعر کو اس نئی زندگی پر اطمینان نہیں اور اس کے حواس پریشان ہیں لیکن مجبور ہو کر وہ اس نئی زندگی میں پناہ لیتا ہے۔

یہ اس نظم کا ایک مختصر سا خاکہ تھا۔ یہ نظم جو یورپ کے ناظرین کے لیے بھی ایک نئی اور اپنی قسم کی بالکل انوکھی چیز ہوگی ہمدردستانی ناظرین کو اور بھی زیادہ عجیب اور مشکل معلوم ہوگی۔ لیکن اس زمانے میں جب کہ

یورپ سے نئی نئی ادبی تحریکیں نکل رہی ہیں ہمارا فرض ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ان تحریکوں سے اپنے ادب کو درشناس کرائیں —

میں 'مسٹر ٹی - ایس - ایلہٹ کا نہایت درجہ مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور مجھے پرانڈا اعتبار کیا کہ اپنے اس شاہکار کے ترجمے کی مجھے اجازت دی - میں اپنے دوستوں 'مسٹر مارتن بلوم فلیڈ' اور 'مسٹر جے - ڈ بلہو - پار' کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس نظم کے ترجمے کے سلسلے میں تلمیحات کی تلاش اور اطالوی 'لاٹینی' اور جرمن عبارتوں کے ترجمے میں بھری بڑی مدد کی -

عزیز احمد

جلو، ۱۲-۱۰ اگست سنہ ۱۹۳۶ ع

خواب آباں

از

مستترتی - ایس - ایلہٹ

۱ - مردوں کی تدفین

• اپریل ہوا ظالم مہینہ ہے ،

مردہ زمین پر پھولوں کی پرورش کرتا ہے ،

خواہیں اور یاد کو یک جا کرتا ہے ،

بے حس جڑوں کو بہار کے چھینٹوں سے جلبش دیتا ہے -

جڑوں نے ہمیں گرم رکھا تھا ،

زمین کو فراموش کن برف سے تھانپ دیا تھا ،

اور سوکھی ہوئی جڑوں سے تھوڑی سی زندگی باقی رکھی تھی -

لہکن بہار نے † اشتارن برگری ' پر سے بارش کے ایک چہرے کے ساتھ

آکر ہمیں متعجب کر دیا -

ہم درختوں کی قطار کے سایہ میں تھر گئے ،

پھر دھوپ میں نکل آئے اور ہوف گارتن (باغیچے) میں

کافی پی اور کھلتے بہر باتیں کرتے رہے -

* نظم ایک لیتھوین مورت کی سرگزشت سے شروع ہوتی ہے جو جڑوں سے پہلے اپنی زندگی کی دلچسپیوں

کی سرگزشت بیان کرتی ہے -

† اشتارن برگری (Starnbergersee) بریٹیا (جرمنی) کی ایک جھیل

• بین گار کا نہا درو سین، شتام آوس لی تاو ان، 'اشت دوائیچ
[میں 'دوس' کی دھلے والی نہیں، 'لہتھونیا' سے آئی ہوں، پکی
جرمن ہوں]

اور جب ہم چھوٹے تھے، مہمان تھے آدج دیوک کے یہاں،
اپے چچا زاد بھائی کے یہاں، وہ مجھے گاڑی میں بٹھا کے باہر لے گیا،
مجھے (اُتار پر) قدر معلوم ہونے لگا، اُس نے کہا، 'میری، 'میری'
مضبوط تھامے رہو۔ اور ہم نہچے اُترتے گئے،
پہاڑوں میں جہاں آدمی اپنے کو آزاد محسوس کرتا ہے۔
(اب میں بہت رات گئے تک پڑھتی ہوں اور جازوں میں جنوب کی طرف
جاتی ہوں)

+ یہ کون سی چیزیں ہوں جو چکڑے ہوئے ہیں،
کون سی شاخیں ہیں جو اُس پتھر بیلے کوڑے سے اُگ نکلی ہیں۔
'ابن آدم' تو نہیں بتا سکتا، نہیں جان سکتا کیونکہ تو صرف
شکستہ اصنام کے ایک ڈھیر کو جانتا ہے، جہاں آفتاب تیزی سے
چمکتا رہتا ہے۔
‡ اور بے جان درخت اپنے سارے میں پلانا نہیں دیتا، جھینگر کی آواز
سکون نہیں بخشتی،
اور خشک پتھر سے پانی کی صدا نہیں آتی۔

* Bim Crar keine Russin, stamm, aus Litauen, echtddeutsch.

‡ "پتھر بیلے کوڑے" سے شاعر کا مطلب غالباً یورپ کی موجودہ پریشان زندگی ہے۔
‡ "اور اُس نے مجھے سے کہا ابن آدم اپنے قدموں پر کھڑا ہو جا اور میں تجھے سے بات کروں گا"
انجیل مقدس ایڑیکل - باب دوم -

اگر سایہ ہے تو صرف اس سرخ چٹان کے نیچے

(اس سرخ چٹان کے سایے میں آ جا)

تاکہ . میں تجھے کوئی ایسی چیز دکھاؤں جو

تیرے صبح کے سایے سے جو تیرے پیچھے قدم اُٹھاتا آتا ہے ، مختلف ہے

اور تیرے شام کے سایے سے بھی جو تجھے سے ملنے کو آبیٹھتا ہے مختلف ہے ۔

میں تجھے مچھی بھر خاک میں ہراس کا تماشا دکھاؤں ۔

* فرس ویت در ویت

در ہایمت تسو

مایں ایرش کلت

وو وانلست دو ؟

[تازہ ہوا چل رہی ہے

گھر کی طرف

میرے آنسو ستانی لڑکے

تو کہاں رک گیا ہے]

+ ' ایک سال ہوا تم نے پہلی بار مجھے ' ہایا سلمتہ ' کے پہول دیے تھے

لوگوں نے ہایا سلمتہ کے پہولوں والی لڑکی میرا نام رکھا "

لیکن جب ہم بہت رات گئے ' ہایا سلمتہ ' کے باغ سے واپس پلٹے

* انجیل مقدس (Eccleraiastes 12) -

+ یہ جرمن ٹکڑا ' واکٹر ' کے آپیرا Tristan und Isolde کے پہلے ایک سے لیا گیا ہے مسٹر ایلیف

نے اپنی نظم میں اس کو غالباً اس وجہ سے مستعار لیا ہے کہ یہ نظم کے اس حصے سے جو " یہ کرن سی
جزیں ہیں " شروع ہوتا ہے اور جس کا رنگ بہت تلخ ہے ، اور اس کے بعد کے حصے کے درمیان ، جس میں

" میری " کی محبت کے قصے کا سلسلہ پور سے چھیڑا گیا ہے ، ایک کڑی کا کام دے -

Frisch weht der wind Der Heimat zu, Mein Irisch kind, We Weilest du ?

تو تمہارے ہاتھ خالی نہیں تھے ' اور تمہارے بال بھیگے ہوئے تھے

میں کچھ نہ کہہ سکا ' میری آنکھیں پتھرا سی گئیں ' .

میں زندہ تھا نہ مردہ ' مجھے کسی بات کا ہوش نہ تھا -

میں روشنی کے دل کو دیکھ رہا تھا ' خاموشی کو -

+ اودے آنت لیر داس مہر [خاموشی اور ویران سمندر]

... ..

‡ "مادام سو سو سٹرس" مشہور روشن ضمیر کو

سخت زکام ہو گیا تھا ' پھر بھی

وہ یورپ کی سب سے عقلمند عورت سمجھی جاتی ہے -

اور اُس کے ہاتھ میں خطرناک تاش کے پتے ہیں -

اُس نے کہا :- یہ دیکھو یہ تمہارا پتہ ہے "غرقاب فوینقی ملاح"

§ [یہ اُس کی آنکھیں ہیں جو 'اب موتی بن گئی ہیں دیکھو !]

یہ پتہ "بھلا دونا" (حسیلہ) [ہے 'چٹانوں کی سلطانہ

موتھوں کی مالکہ

اور یہ "تین چوتوں والا آدمی" ہے ' اور یہ "چکر"

* 'میری' کا قصہ پھر شروع ہوتا ہے۔ پہلا جملہ 'میری' کا ہے - لیکن اُس کے بعد ہی شاعر کے مایوس

اور پژمردہ خیالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ' جو ایک جرمن جملے پر ختم ہوتا ہے - قصہ مختصر یہ کہ زندگی ایک خاموشی اور ویران سمندر ہے -

Od' und leer das Meer †

یہ مصرعہ واکٹر کے اُسی آپترا Tristan und Isolde سے لیا گیا ہے -

‡ مادام سو سو سٹرس اور اُس کے تاش کے پتے ' انسانی حیات اور انفرادی زندگیوں کی قلمبجائیاں

ہیں - ان میں سے نوٹیفی ملاح کا ذکر پھر بار بار نظم میں آتا ہے - حصہ سوم میں وہ مسٹر بوجے

نی قس تاجر سونائی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے ' اور حصہ چہارم میں اُس کی فرقاہی کا ذکر ہے -

پانی اور سمندر کا اس نظم میں دھشت کا اثر پیدا کرنے میں بہت خاص حصہ ہے -

§ شکستہ - Tempest ایک مشہور گیت کا ایک مصرعہ -

اور یہ ”یک چشم سوداگر“ اور یہ پتہ
جو بے تصویر ہے ایک ایسی چیز ہے جسے وہ اپنی پشت پر اُٹھائے لیے
پھرتا ہے،

اور جسے دیکھنے کی مجھے اجازت نہیں۔
معلوم نہیں ”پھانسی * پانے والا“ کہا ہوا۔ پانی کی موت سے ڈرو۔
مجھے آدمیوں کے غول کے غول ایک حلقہ بڈائے ہوئے چکر لگاتے دکھائی
دے دے رہے ہیں؟

شکریہ۔ اگر تمہیں عزیزہ مسز اکو تھوون سے مالے کا اتفاق ہو
تو کہنا میں خود زائچہ نامہ لے کر آتی ہوں،
اس زمانے میں احتکاظ بہت ضروری ہے۔
... ..

بے اصل شہر +

جاڑوں کی ایک صبح کو بھورے گھر کے تلے
ایک مجمع لندن کے پل پر بہتا چلا جا رہا تھا، اس قدر جم غفیر
† میں نہیں سمجھا تھا کہ موت نے انہوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

* بعض نقادوں کا خیال ہے کہ ”پھانسی پانے والے“ سے شاعر کا اشارہ مسیح مصلوب کی طرف ہے۔

† بودلیئر (Baudelaire)

”Fourmillante cite, cite, Pleine de rêves,

Où le spectre au plein jour raccroche le parrainant.”

لیریز شہر * شہر جو خوابوں سے بھرا ہوا ہے
جہاں موت کی دھجڑے بھی راستہ چلنے والوں سے متبہیز ہوتی ہے۔
† داتے :- ”جہنم“ حقہ سرم۔

”si lunga tratta

di gente, chi'onon avrei mai creduto

che morte tanta n'avesse disfatta”

* مختصر اور معدود آغوں میں لوگ سانس لے رہے تھے

اور ہر شخص کی نگاہ اپنے قدموں کے آگے جمی ہوئی تھی ۔

(یہ مجمع) پہاڑی، پر چلا، اور پھر کدک ولیم اسٹریٹ میں

جہاں کلیسائے سیماٹ مہری دول ناتھ وقت کی پابندی کرتا ہے

ایک مردہ آواز کے ساتھ، نو بجے گھنٹے کی آخری آواز پر -

وہاں مجمع ایک شخص نظر آیا، جسے میں جانتا تھا، میں نے اُسے

دو کا اور چلا کے کہا احتیاط -

تم نو مہائے میں چھاڑوں پر مہرے ساتھ تھے -

وہ لاش جو تم نے گذشتہ سال اپنے باغ میں ہوئی تھی

کہا اب اُس میں پتھیاں پھرت نکلیں؟ کیا وہ اس سال لہلہائے گی؟

کہیں پالے نے تو دفعۃً اُس کا بستر درہم برہم نہیں کر دیا؟

+ ارے کتے کو یہاں سے دور لہجھاؤ - یہ آدمیوں کا دوست ہے -

کہیں یہ اپنے ناخنوں سے اُس (لاش) کو کھود نہ نکالے -

‡ تم ! ایہو کریت لکتور ! موں ساں بلا بل — موں فریر

[تم ! مہرے مکار ناظر ! — مہرے ہم ذات — مہرے بھائی]

• دانتے :- ” چہم ” حٹ چہام -

“ Quiri, secodo che per ascoltare,

non avea pianto, ma che di sospiri

che l'aura eterna faceuan tremare,

† Webster (مہد الزبتا کے مشہور ڈراما نگار) کے ڈرامے ” سفید بھرت ” سے یہ مہرہ کسی

نیر ترجمہ کے ساتھ مستعار لیا گیا ہے —

‡ ہولیر (Baudelaire) :- ” hypocrite lecteur!—mon semblable,—mon fiere! ”

۲ - شطرنج کی بازی

• کرسی جس پر وہ بیٹھی تھی، شفاف تخت کی طرح
 سر سر پر چمک رہی تھی، جہاں گلاس رکھا تھا
 گلاس دان مہں جس پر خوشہ دار انگور کی بیل بنی ہوئی تھی
 جس کی پتھوں ے ایک زرین کھوپڑی جھانک رہا تھا -
 (دوسرا اپنے پر سے اپنی آنکھیں چھپائے ہوئے تھا)
 سات شاخوں والے فانوس کے شعلے دھڑکے ہوئے تھے
 اور مہز پر روشنی ڈال رہے تھے، جہاں
 اُس (عورت) کے جواہرات کی چمک روشنی سے بغلکھڑ ہونے کو اُٹھ رہی تھی۔
 جواہرات، جو اطلس کے تہوں سے اس کثرت کے ساتھ اُمتد نکلے تھے۔
 ہاتھی دانت اور رنگین گلاس کے کھلے ہوئے پھالوں مہں اُس کی عجیب
 مرکب خوشبوئیں
 عطر، غارے، اور سیال خوشبوئیں حواس کو بے ترتیب و پردیشان
 اور نگہتوں مہں فرق کر رہی تھیں -
 کھوکھوں سے آئے فرحت بخشنے والی ہوا سے جنبش پائے
 شعروں کے اونچے شعلوں کو فروہ کر رہی تھیں -
 شعلے جو اپنا دھواں اوپر مرمع چھت مہں پھٹک رہے تھے
 اور مرمع چھت کی تصویر کو جنبش دے رہے تھے -
 تصویر مہں لکڑی کا ترشا ہوا سمندر تانبے سے مرمع

• نظم کی تہیدی شان و شوکت میں شاعر نے شکسپیر کے ڈرامے Antony and Cleopatra

اس مہر کا خاکہ اُڑایا ہے جس میں شکسپیر نے کلویپٹرا کے تشدد کی تعریف کی ہے -

سبز اور نارنجی رنگوں میں چمک رہا تھا جس کے گرد رنگین پتھر کا حاشیہ تھا، جس کی دھندلی سی روشنی میں ایک ترشی ہوئی مچھالی تھر دھ رہی تھی۔ کھلے آنکھوں سے اوپر،

اس طرح جیسے کوئی کھڑکی کسی سر سبز منظر کی طرف کھلے فلو مہل، (غلط لکھ) [جس کو وحشی باشاہ نے اس بری طرح خراب کیا] کی شکل کی تبدیلی کا منظر ملتا تھا *۔

پھر بھی سارا صحتور اس کی مقدس آواز سے گونج اُٹھا۔
پھر بھی وہ چلاتی رہی، اور اب تک دنیا اس کا تعاقب کر رہی ہے۔
ذلیل کانوں کو ”جنگ - جنگ“ کی آواز سنائی دیتی ہے۔
ماضی کے اور بہت سے افسردہ نشانات

دیواروں پر ملتی تھیں - گھورتی ہوئی شکلیں
جھکی ہوئی تھیں، جھک کے معصور کمرے کو خاموش کر رہی تھیں -
ذیلے پر قدموں کی چاپ سنائی دی -
آگ کی روشنی میں، برش کے نیچے، اُس کے بال
آتشیں نقطوں میں پھیل گئے،

کبھی الفاظ بن کے چمکنے لگتے اور کبھی وحشی پن سے خاموش ہو جاتے -
+ آج کی رات میرے حواس پریشان ہیں - ہاں پریشان - میرے پاس رہو -
مجھ سے باتیں کرو - مجھ سے باتیں کروں نہیں کرتے - باتیں کرو -

کیا سوچ رہے ہو؟ کیا سوچتے ہو؟ کیا؟

* یونانی علم الاصنام میں فلو میل اور پراگڈی دو بہنیں تھیں اور پراگڈی کے شوہر نے زبردستی فلو میل کو خراب کیا۔ دیوتاؤں نے فلو میل کو بدل کے بلیک بنادیا اور وہ آج تک اپنی مصیبت کا ٹوٹا لوگوں کو سناتی ہے۔
+ اس ایک طرفہ مکالمے میں صورت سوال کرتی جاتی ہے، اور ان سوالات سے شاعر کے دل میں خیالات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔

مجھے کبھی معلوم نہیں ہوئے پاتا کیا سوچتے ہو - سوچو -

* میں سوچ رہا ہوں کہ ہم لوگ چوہوں کے بل میں ہیں

جہاں مردوں کی ہڈیاں گم ہو گئیں -

”یہ شور کھسا ہے“ ؟

دروازے کے نیچے ہوا -

”اب پھر یہ شور کیا ہے ؟ ہوا کیا کر رہی ہے“

کچھ بھی نہیں ، پھر کچھ بھی نہیں -

”کیا“

تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں؟ کچھ بھی نظر نہیں آتا؟ کچھ بھی یاد نہیں آتا؟

کچھ بھی نہیں“ ؟

مجھے یاد ہے

+ یہ اس کی آنکھیں ہیں جواب موتی بن گئی ہیں -

”زندہ ہو کہ نہیں؟ کیا تمہارا دماغ بالکل خالی ہے“ -

او او او او وہی شکسپیر والی بات -

کتنی لطافت آمیز ہے -

کس قدر ذہانت سے لبریز

”اب میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟“

میں اسی حالت میں بھاگ نکلوں گی اور سوک پر چلوں گی ،

مہرے بال سرا سمہے ، لٹکتے ہوئے اسی طرح - کل ہمیں کیا کرنا ہے ؟

* ملاحظہ ہو اس نظم کا تیسرا حصہ جس سے پتا قلمیج مستعار لی گئی ہے -

+ شکسپیر کے تراے Tempest سے وہی حوالہ جو پہلے دیا گیا تھا - غرقابی کا تصور اس نظم کی نفسیاتی

کیفیتوں بہت اہمیت رکھتا ہے -

کبھی بھی ہمیں کہا کرنا ہے ؟

دس بجے گرم پانی

اگر بادش ہوئی تو چار بجے ایک بلند موٹر

* اور ہم شطرنج کی ایک بازی کھیلیں گے -

+ بے خواب آنکھیں بند کرتے ہوئے کسی کے دروازے کھٹکھٹانے کا
انتظار کرتے ہوئے -

... ..

‡ جب لال کا شوہر (فوج کی) نوکری سے چھوٹ کر آنے لگا ، تو میں نے کہا -

میں نے کہنے میں مروت نہیں برتی - میں نے خود 'لال' سے کہا -

بھئی ذرا جلدی کرنا ، وقت ہو چکا ہے -

آلہرت آ رہا ہے ، کچھ تو بناؤ سنگار کر کے اپنی حالت تھوک کرو -

وہ تم سے پوچھے گا کہ جو روپے اس نے تمہیں دیے تھے -

* "شطرنج کی بازی" جو اس حصہ نظم کا عنوان بھی ہے ، بہت معنی خیز ہے - ستھریں صدی کے ایک مشہور انگریز ڈراما نگار Middleton کے ڈرامے Women Beware Women میں شطرنج کی بازی کا منظر ڈرامائی طرز کے لحاظ سے بے مثل ہے ، اور اسی سے 'ایلیٹ' نے یہ تلمیح مستعار لی ہے - ڈرامے میں ایک دلالہ اپنے شہر کے نواب کا اشارہ پا کے شہر کے ایک شریف خاندان کی بیوہ اور اس کی بہو کو مدعو کرتی ہے - بیوہ کو وہ شطرنج کی بازی میں الجھائے رکھتی ہے اور نواب اس کی بہو کو موقع پاکر پھسلا لیتا ہے - ‡ دروازہ کھٹکھٹانے سے موت مراد ہے -

‡ یہ ٹکڑا نظم کے حصہ دوم "شطرنج کی بازی" کا دوسرا ٹکڑا ہے - پہلے حصے میں سرمایہ داروں کی زندگی کا نقشہ پیش کیا گیا تھا کہ باوجود قبول اور ظاہری جگمگاہٹ کے سکون و اطمینان نصیب نہیں - اس دوسرے حصے میں بالکل متضاد طبقہ یعنی مزدوروں اور پیشہ ورانہ زندگی کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے - منظر ایک شراب خانہ ہے - رات کے وقت جب کہ شراب خانے کے بند ہونے کا وقت آچکا ہے ایک عورت اپنے ساتھیوں کو ایک راتہ سنا رہی ہے - بار بار شراب خانے کے چھوڑنے کی آواز سنائی دیتی ہے - "بھئی ذرا جلدی کرو ، وقت ہو چکا ہے" - یہ نظم مزدور پیشہ طبقے کی غراب و خستہ حالت کا بڑا اچھا نقشہ ہے - شاعر نے اس سے پہلے کے ٹکڑے میں جو ادبیانہ نئی اسلوب اختیار کیا تھا ، اس کو ایک قلم تبدیل کر کے نہایت سادہ لہجے میں زندگی کے اس رخ کی تصویر کھینچی ہے -

کہ تم اپنے لئے بتمسی خریدو ... - اس نے دیکھے تھے ' میرے سامنے کی بات ہے -

تمہارے سب دانت جھو گئے ہیں ' لل ایک اچھی سی بتمسی خرید لو -
میں قسم کھانے کو تیار ہوں اس نے کہا تھا تمہیں دیکھا نہیں جاتا -
اور میں نے کہا تھا مجھے سے بھی نہیں دیکھا جاتا - ذرا بچا رہے البرٹ کا خیال کرو -

وہ چار سال فوج میں رہا ہے ' وہ چاہتا ہے کہ وقت ہلسی خوشی گذرے '
اور اگر تم اس کا دل نہیں بھلاؤ گی ' تو اور لوگ اس کا دل بھلا نے
کو موجود ہیں

"اچھا اور لوگ بھی موجود ہیں"؟ وہ بولی - میں نے کہا "ہاں ہیں تو سہی" -
"تو پھر میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ کون لوگ ہیں جو مجھے پر اتلی
عدایت کریں گے کہ اس کا دل بھلا نہیں گے" یہ کہہ کر اس نے میری طرف
کلکھوں سے دیکھا -

بہمی ذرا جلدی کرنا وقت ہو چکا ہے -

میں بولی اگر تمہیں پسند نہیں تو صاف صاف کہہ دو -

اگر تمہیں چلنا اور پسند کو نا نہیں آتا تو دوسروں کو آتا ہے -

لیکن اگر البرٹ تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا تو محض رغبت نہ
ہونے کی وجہ سے -

تمہیں شرم آنی چاہیے کہ تم اتلی بوزہ ہی معلوم ہوتی ہو - میں بولی
(حالانکہ ابھی وہ صرف اکتیس سال کی ہے)

اس نے ملکہ ہلکے جواب دیا - میں کھا کروں -

کہنے لگی - "یہ ان گولہوں کا اثر ہے جو میں نے پیٹ گرانے کے لئے کھائیں تھیں

(اس کے پانچ بچے ہو چکے ہیں اور نلے چارج کی بار تو بالکل مرتے مرتے بچی)
 قاتلو نے کہا تھا کہ کوئی نقصان نہیں - مگر میں ابھی تک اچھی نہیں ہو سکی
 میں نے اس سے کہا "اگر 'آلبرٹ' تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا تو پھر تم ہی بتاؤ
 اگر تمہیں بچے نہیں چاہیے تھے تو شادی ہی کھوں کی؟"

بھٹی ذرا جلدی کرنا وقت ہو چکا ہے -

خیر جب 'آلبرٹ' کھڑا پہنچا تو گرم گوشت تھا ر تھا

اور مجھے بھی انہوں نے دعوت دی کہ اس کا گرم گرم مزا چکھوں -

بھٹی ذرا جلدی کرنا وقت ہو چکا ہے -

بھٹی ذرا جلدی کرنا وقت ہو چکا ہے -

خدا حافظ 'بل' - خدا حافظ 'لو' - خدا حافظ 'لے' - خدا حافظ

تا - تا - خدا حافظ 'خدا حافظ

خدا حافظ خواتین - خدا حافظ پہاری خواتین - خدا حافظ خدا حافظ

۳ - * آتیشِ رعظ

دریا کا خیمہ ٹوٹ گیا - پتی کی آخری انگلیاں

بہکے ہوئے کنارے کو پکڑ کر ڈوب گئیں -

ہوا بھوری زمین پر سے گذر رہی ہے + پریاں رخصت ہو چکی ہیں -

• نظم کے اس تیسرے حصے کا منظر دریائے ٹیمز کا کنارہ ہے - اس حصے میں دریا کے کنارے کے اور دریا کے
 آس پاس کے بے سے سین پیش کیے گئے ہیں - ابتدا تمہید سے ہوتی ہے کلا چارے کا موسم ہے اور موسم
 گرم کے تعطیلات منانے والے رخصت ہو چکے ہیں - اس کے بعد شاعر کی ملاقات - سونا کے ناچو مسٹر یو جے ٹی ڈس
 سے ہوتی ہے 'جو نظم کے چوتھے حصے میں فونیقی ملاح کے کردار میں ضم ہو جاتا ہے اور دریا میں فرق ہو جاتا
 ہے - اس کے بعد شاعر ٹیم مرہ اور ٹیم صورت 'ٹائو سیس' جو مرد و عورت (انسانیات) کا مجسمہ ہے کی
 شکل میں ایک ٹائپسٹ لڑکی کے عشق کا منظر دیکھتا ہے اور اس کے بعد دخترانِ ٹیمز کے تین کیٹ ہیں -
 + عورتیں -

* بیماری تھمز - آہستہ آہستہ بہ کہ میں اپنا گھٹ ختم کر لوں
 دریا میں اب خالی برتلیں نظر نہیں آتیں، اور نہ سیلڈ وچ کے کاغذ
 نہ دیشمی دستکھاں، نہ دنگی کے قے، نہ سگریٹوں کے سرے
 اور نہ گرما کی راتوں کی کوئی اور نشانہاں -
 پریاں رخصت ہو چکی ہیں، اور اُن کے دوست شہر کے ڈائریکٹروں کے
 آوارہ گرد بر خوردار صاحبزادگان
 + بھی رخصت ہو چکے ہیں، بلا اپنا نام و نشان چھوڑے ہوئے -
 آب لیمان کے کنارے میں نے بیٹھنے کے آنسو بہاے ...
 بیماری تھمز آہستہ آہستہ بہ کہ میں اپنا گھٹ ختم کر لوں
 بیماری تھمز آہستہ آہستہ بہ کہ نہ مہری صدا بلند ہے اور نہ مہرا گھٹ طویل -
 لیکن اپنے پیچھے ہوا کے ایک سرد تھپہڑے میں -
 میں ہڈیوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن رہا ہوں اور ایک کہسہانی
 منسی جو ایک گان سے دوسرے گان تک پھیلی ہوئی ہے -
 کنارے پر ایک چوہا اپنے کھچڑے سے لت پت بھٹ کو گھسیٹتا ہوا
 آہستہ سے سرک کر سبزی میں چلا گیا،
 میں اُس وقت گیس ہاؤس کے پیچھے نہر میں سچیلہوں کا شکار کر رہا تھا -

* یہ مصرعہ میں ملکہ الزبتھ کے ملک الشعراء Spenser کی نظم Prothalamion سے ستعار لیا
 گیا ہے - یہ 'اسپنسر' نے دو امیر لڑکیوں کی شادی کی تقریب میں لکھی تھی جب کہ ان کی بارات ہریا کے
 کنارے گذر رہی تھی -
 + اصلی جملہ تواریخ میں یوں ہے "آب بابل کے کنارے میں نے بیٹھنے کے آنسو بہاے" 'لیک لیمان'
 سوئٹزر لینڈ کی وہ خوبصورت جھیل ہے جس کے کنارے 'چیلوا' 'لوزاں' 'مونتریو' وغیرہ بہت سے خوبصورت
 شہر آباد ہیں -

جارے کی شام تھی - * میں اپنے بھائی بادشاہ کی تباہی

اور اُس سے پہلے اپنے بادشاہ کی موت پر غور کر رہا تھا -

پست نم زمیں پر عریاں سفید اجسام -

اور ہڈیاں جو ایک چھوٹی پست نالی میں پھینک دی جاتی ہیں

سال بہ سال محض چوہے کی دور اُن میں کھڑکھڑاہٹ پیدا کرتی ہے -

لیکن اپنے پیچھے مجھے وقت بہ وقت

ہارن کی اور سوتروں کی آواز سنائی دیتی ہے، جو (سوتریں)

بہار کے موسم میں + 'سویلی کو مسز پورتر سے ملانے لاتی ہیں -

چاند 'مسز پورتر' پر بڑی چمک دمک سے چمکتا ہے

اور اُس کی لڑکی پر

‡ یہ لوگ سوۃِ اتر میں اپنے پاؤں دھوتے ہیں -

§ اے او سے دو آداں فاشانتاں داں لاکو پول

[اور گلبند میں گانے والے لوگوں کی یہ آوازیں]

... ..

§ تووت، تووت، تووت

جگ جگ جگ جگ جگ

کس بری طرح زبردستی خراب کیا

تھرپر

* یہ اشارۂ ہر شکسپر کے تراے Tempest کی طرف ہے - شاعر اپنے آپ کو شہزادہ 'فرقی نند' سے

تعبیر کرتا ہے -

+ 'سویلی' (sweeny) امریکہ والے آئرلینڈ کے خاص قسم کے لوگوں کو مذاقاً 'سویلی' کہتے ہیں -

‡ سرمایہ داری کا مضحکہ -

§ ہال ورلین (Verlaine) : - Et O ces voix deufants, chantant dans la coupole

§ شاعر کو بلبلی کی آواز اور اُس کے ساتھ ہی 'فلو میل' کی سرگندہ یاد آجاتی ہے -

... ..

بے اصل شہر

جارتوں کی ایک د و پھر کو بھورے کھر میں

* مسٹر 'یو جے نی ڈس' سمرنا کا تاجر

ڈاڑھی بڑھی ہوئی، جیب کشمشوں سے بھری ہوئی

لندن تک محصول اور کرایہ سہا - ہاتھ میں کاروباری کاغذات

محبہ سے سامیانہ فرانسوی میں کہنے لگا

کہ اُس نے ساتھ کھلن 'اسٹریٹ ہوٹل' میں کھانا کھاؤں

اور اُس کے بعد عفتے کے ختم کی تعطیل سیکر و پول میں گذاروں -

... ..

شفق کے وقت جب آنکھیں ڈسک سے اُتھتی ہیں

اور کمر سیدھی کرنے کا وقت ہوتا ہے

جب انسانی انجن انتظار کرتا ہے

موٹر ٹیکسی کی طرح ڈھک ڈھک کرتا ہوا انتظار کرتا ہوا

+ میں 'ٹائرسیس' اگرچہ کہ زندہ ہوں اور دو زندگیوں کے درمیان

* 'یو جے نی ڈس' آگے چل کر فونٹینی ملاح کے کردار میں ضم ہو جاتا ہے۔

‡ 'ٹائرسیس' (Tiresias) کا کردار اس نظم میں بڑی اہمیت رکھتا ہے - ٹائرسیس نیم مرد ہے اور نیم

مورت اور اس طرح دونوں انسانی جنسوں کا مجموعہ ہے - خود مسٹر ایلینٹ نے 'ٹائرسیس' کے کردار کی تشریح اس الفاظ میں کی ہے :-

” 'ٹائرسیس' اگرچہ کہ مہض 'ناظر' ہے اور اس نظم کا خاص کردار ” نہیں پھر بھی وہ اس

نظم میں بہت اہمیت رکھتا ہے ' کیونکہ اس میں سب کردار مل کر ایک ہو جاتے ہیں - جس طرح

کشمشوں کا تاجر یک چشم سوداگر ' فونٹینی ملاح میں تبدیل ہو جاتا ہے ' اور آخر الذکر فردہنڈہ

شہزادہ ٹیپلز میں مل جاتا ہے ' اسی طرح (اس نظم کی) تمام صورتیں ایک صورت بن جاتی ہیں -

اور دونوں جنسیں 'ٹائرسیس' کے کردار میں مل جاتی ہیں - ٹائرسیس جو کچھ دیکھتا ہے وہی

اس نظم کا ماحصل ہے ” -

دھڑک رہا ہوں -

بدھا مرد ہوں اور دھلکے ہوئے زنانے پستان دکھتا ہوں ،
• شوق کے وقت ، شام کے وقت کو دیکھ رہا ہوں جو سلاح کو سسلند
سے گھر لاتا ہے -

اور تائیسٹ لڑکی کو چائے کے وقت گھر لاتا ہے ، جو ناشتے کے برتن ہٹاتی ہے ،
چولہا گرم کرتی ہے اور تین کے قبوں میں سے کھانے کی چھڑیں نکالتی ہے -
کھڑکی کے باہر غیر محفوظ طور پر
اس کے خشک ہوتے ہوئے مرکب ملہو سات لٹک رہے ہیں جن کو آفتاب
کی آخری شعاعیں مس کر رہی ہیں -

صوفے پر (جو رات کو اُس کا بستر بن جاتا ہے)
پائنتابوں ، سلہیروں اور تہ جاموں کا ڈھیر ہے -
میں مرجھائے ہوئے پستانوں والا بوڑھا مرد
اس منظر کو دیکھ کر باقی سب باتوں بھانپ گیا -
میں بھی آنے والے مہمان کا انتظار کرنے لگا -

وہ سرطان زدہ نو جوان آپہلچا
مکانوں کے ایک معمولی سے ٹھیکے دار کا معصر - نظر میں جراثیم ،
ان نہجی نظروں میں سے ایک نظر جس میں خون اعتمادی اس طرح ممکن ہے
جیسے ' بریدہ فرد ' کے کسی لکھ پتی کے سر پر ریشمی توپی -
وہ صحیح طور پر بھانپ لیتا ہے کہ وقت بہت مناسب ہے -

* * ٹائیسس ' کا کردار اصل میں لطیفی شاعر Ovid کی نظم سے لیا گیا ہے - یونانی شاعر ' سائو ' کے
شعر کا آزاد ترجمہ ہے ، اس شعر کو دھرانے کے بعد ' ٹائیسس ' ٹائیسس لڑکی کا قصہ جو اس کی نظروں کے
سامنے پیش آ رہا ہے بیان کردینا شروع کر دیتا ہے -

کہا نا ختم ہو چکا ہے اور وہ تھکی ہوئی اور پریشان سی ہے

پہلے اسے آقوہ میں لہلے کی کوشش کرتا ہے

اس کی مرضی نہ بھی سہی مگر وہ مخالفت تو نہیں کرتی

سرخ ہو کے ارد مکمل ارادے کے ساتھ وہ فوراً حملہ کرتا ہے -

کسی طرح کی مداخلت، متلاشی ہاتھوں کا مقابلہ نہیں کرتی -

نوجوان کی خود پرستی جواب کی پروا نہیں کرتی -

اور وہ اس بے توجہی کو نعمت سمجھ لیتا ہے -

(اور میں وہ 'ٹائرسس' ہوں جو اس سے پہلے یہ سب بہکت چکا ہوں -

جواب اس صوفے یا بستری پر پیش آ رہا ہے -

میں وہ ہوں جو تھپس کے پاس دیوار کے کنارے بیٹھا رہا کرتا تھا -

اور پست ترین مردوں کے درمیان پھرا کرتا تھا)

پھر وہ (نوجوان) ایک آخری بزرگانہ قسم کا بوسہ دیتا ہے -

اور اپنا راستہ تقویتاً ہوا باہر جاتا ہے 'زیلوں پر روشنی نہیں پاتا ...

وہ پلٹ کر لمحوہ بھر آئینہ دیکھتی ہے -

گویا اسے اپنے عاشق کی روانگی کی خبر بھی نہیں -

اس کا ذہن صرف ایک نامکمل خیال کو گذرنے کی اجازت دیتا ہے -

"خیر اب تو یہ ہو چکا - اچھا ہوا کسی طرح ہو تو چکا"

* جب حسین عورت گلاہ کی طرف جھکتی ہے اور

اپنے کمرے میں! دھر سے اُدھر اکیلی تھلتی ہے

تو بخود بخود اپنے ہاتھوں سے اپنے بال تھک کرتی ہے

اور گراموفون پر ایک رکاڈ رکھ دیتی ہے -

اس راگ کی آواز مہرے پاس سے ہوتی ہوئی لب آب تک پہنچی -

پھر 'اسٹریلڈ' سے ہوتی ہوئی 'کوئین وکٹوریہ اسٹریٹ' تک -

اے شہر 'شہر میں اکثر سلتا ہوں

لوور 'ٹیمز اسٹریٹ' میں ایک شراب خانے کے پاس

ایک باجے کی گلگلاتی ہوئی دلپذیر آواز

اور (شراب خانے کے) اندر سے کھٹکھٹاہٹ کی اور باتوں کی آواز

جہاں ماہی گہر و پھر کو سستاتے ہیں -

جہاں کلہسائے 'میگنس مارٹر' کی دیوار ہیں

کلہسائی سفید و زردین رنگ کی ناقابل بھان عظمتوں سے آراستہ ہیں ؛

... ..

* (دختران ٹیمز کے گھٹ)

دیر کو پسینہ آ رہا ہے

تھل ! اور تار کول -

کشتیاں بہہ رہی ہیں ،

پانی کی بدلتی ہوئی رفتار کے ساتھ

چوڑے

سرخ بادباں

زمین کی طرف وزنی مستعمل پر لٹک رہے ہیں -

کشتیاں دھو رہی ہیں

بہتے ہوئے شہتہروں کو

* ایک بعد دیگرے تین دختران ٹیمز تین گیت گاتی ہیں - "دختران ٹیمز" کا خیال ایلیف کو مشہور

آپرا Gotterdammerung میں تین "دختران رازن" کے گیت پڑھ کر پیدا ہوا -

’ گردین وچ ‘ تک پہنچ گئی ہیں
آنل آف ڈاگس ‘ کے پاس سے گذرتی ہوئی ۔

وے ٹھالالے ٹھا

والالالے ٹھالالا

* الزبتھہ اور لسٹرو

کھٹتے ہوئے پتوار

عرشہ ایک سنہری سیب

بن گیا ہے

سرخ اور زردین ۔

پانی کی تھوڑی تھان

دونوں کناروں سے جاتگوائی

جنوب و مغرب کی ہوا

پانی کی دھار پر بہا لائی

گھنٹھوں کی آواز کو ۔

سفید برج

وے ٹھالالا ۔ لی آ

والالالے ٹھالالا

” قرام گاڑیاں اور قباد آلود درخت

+ ’ ہائی پری ‘ میں میں پھدا ہوئی ۔ رچلمنڈ اور کھو نے مجھے بگاڑا ۔

* ملکہ الزبتھہ اور لارڈ لسٹرو کے معاہدے کی طرف اشارہ ۔

+ دانتے کے ” امرات “ کو پیش نظر رکھ کر :-

’ Ricorditi di me, che son la Pia;

’ Siena mi Fe, disfecemi Maremma’.

رجسٹر کے قریب ٹانگیں اُٹھا کے

ایک تلگ ناؤ کے مرثیے پر مہن چت لہٹ گئی،

”مہرے قدم“ سوڑ گھٹ، مہن میں اور

مہر ا دل مہرے قدموں کے نہیچے۔

اس واقعہ کے پھس آ جانے کے بعد وہ رویا- اور نئے سرے سے زندگی بسر

کرنے کا وعدہ کیا۔

مہن نے کچھ نہیچہ کہا۔ مہن کیوں نہیں نہیں کرتی؟

”مار گھٹ“ کی دیت پر

مہن نہیں کا سلسلہ

نہیں سے ملا سکتی ہوں۔

مہلے ہا تہوں کے توتے ہوئے ناخن۔

مہرے گھر والے، غریب گھر والے

کسی چیز کے متوقع نہیں

لا لا

... ..

* پھر مہن قریطاجنہ پہنچا

+ جلن جلن جلن جلن

پر ما تما تو مجھے کہہلیج کر باہر نکال دھا ہے

پر ماتما تو کہہلیج دھا ہے

• ”از امتزاجات سینک آکٹیس“ — ”پھر میں قریطاجنہ پہنچا جہاں ناپاک مشق بازی کی

دھکتی ہوئی کڑھائی سے مجھے اپنے چاروں طرف گانوں کی آواز سنائی دی۔“

+ یہ ٹکڑا مہاتما بدے کے ”آتشیں رمط“ کے ایک حصے سے لیا گیا ہے۔ شاعر نے امریکی

مستشرق ہنری کلارک وارن (Henry Clarke Warren) کے انگریزی ترجمے سے مدد لی ہے۔

جلن

۴ - * پانی کی موت

'فلہاس فونہتی' جسے سر کے دو ہتے ہوئے
 بکلوں کی آواز بھول گیا ' اور گہرے سندر کا موج
 اور اپنا نفع نقصان -

سندر کے اندر سے ایک دھار

اُس کی ہڈیوں کو سر گوشوں میں چن لے گئی -

جب اس کا جسم بلند ہوتا اور پھر توب جاتا

(تو گویا) وہ اپنے بڑھاپے اور جوانی کی منزلوں سے پھر گزر رہا تھا

گرداب میں داخل ہونے سے پہلے -

یہودی یا غیر یہودی

تم جو کشتی کی ناخدا بن کر تے ہو اور ہوا کی طرف دیکھتے ہو -

فلہاس کے حال سے عبرت حاصل کرو جو کبھی تمہاری طرح وجہ

اور بلند قامت تھا -

۵ - + گرج نے کیا کہا

پسٹل سے شراہور چہروں پر سرخ مشعل کی روشنی کے بعد

باغوں میں سرد ' کھکھاتی ہوئی خاموشی کے بعد

* پانی کا غوت جو اس نظم کی نفسیاتی کیفیت میں خاص اہمیت رکھتا ہے اس سطر میں
 اتنا کو پہنچ جاتا ہے - فلہاس فونہتی اور مسٹر جے ٹی دس اور شہزادہ کرتلیق سب ایک کردار ہیں مگر
 فلہاس فونہتی کی شکل میں فرقاب ہو جاتے ہیں - فرقابی اور پانی کی پوری "تشکیل" شاعر نے
 شکسپیئر کے تراے "ٹمپسٹ" Tempest کو پیش نظر رکھ کر لی - پانی کی موت اس زمانے کی موت
 ہے - اس زمانے کی زندگی کی طرح بے کیف اور مہیب ہے -

+ تعریج کے لیے دیباچہ ملاحظہ ہو -

پتھر بیلے مقامات میں تکلیف اٹھانے کے بعد
 پکارنے اور چلنے
 اور قید اور محفل سرا اور
 موسم بہار میں دور دراز پہاڑوں پر گرج کی صدائے باز گشت کے بعد
 وہ جو زندہ تھا سو مر گیا
 اور جو زندہ ہیں وہ اب مردے ہیں
 کسی قدر صبر کے ساتھ
 یہاں پانی نہیں صرف چٹان ہی چٹان ہے
 چٹان ہے اور پانی نہیں اور ریت کی سڑک ہے
 سڑک جو پہاڑوں پر بل کھاتی ہوئی جاتی ہے
 چٹانوں والے پہاڑوں پر جن میں پانی نہیں
 اگر پانی ہوتا تو ہم رک جاتے اور پی لیتے
 مگر چٹان پر کوئی رک نہیں سکتا اور سوچ نہیں سکتا
 کاش چٹان میں کچھ پانی ہوتا
 چٹان جو مردہ پہاڑ کے دانٹوں کا ہڈی والا جموا ہے جس سے وہ
 تھوک نہیں سکتا
 یہاں نہ کوئی کھڑا ہو سکتا ہے ' نہ لہٹ سکتا ہے ' نہ بیٹھ سکتا ہے
 پہاڑوں میں خاموشی تک نہیں
 خشک اور بانجھ گرج کی آواز آتی ہے اور پانی نہیں ہرستا
 پہاڑوں میں تلپائی تک نہیں
 مٹی کے شکستہ مکانوں کے دروازوں سے
 خشکیں چہرے ناک بہوں چڑھا رہے ہوں

گاہ پانی ہوتا

اور چٹان نہ ہوتی

اور اگر چٹان تھی تو

پانی بھی ہوتا

پانی بھی

ایک سرچشمہ

چٹان میں ایک چشمہ ہوتا

گاہ پانی کی آواز ہی ہوتی

تھکری

یا سوکھی ہوئی گھانسی کے گھٹ کے بجائے

چٹان پر پانی کی آواز ہوتی

جہاں 'ہرمیت تھوڑی' * پائوں کے درخت پر چھچھا رہی ہے

دربِ دراپِ دربِ دراپِ دراپِ دراپِ دراپِ دراپِ

لیکن کہیں پانی نہیں

† یہ تھسرا کون ہے جو تمہارے ساتھ چل رہا ہے

جب میں گلتا ہوں تو صرف میں اور تم ساتھ ہیں

لیکن جب نظر اُٹھا کے سفید سڑک کو دیکھتا ہوں

تو ایک اور شخص ہمیشہ تمہارے ساتھ ساتھ چلتا نظر آتا ہے

* 'ہرمیت تھوڑی' شمالی امریکہ کی ایک چڑیا جس کی آواز کو پانی پرسنے کی صدا سے

تعبیر کیا جاتا ہے۔

† قصبہ شمالی کے ایک سفر میں جب مسافروں کی طاقت ختم ہوگئی اور حواس جواب دینے لگے تو

انہیں مسافروں کی اصلی تعداد سے ایک شخص زیادہ نظر آتا ہے۔ بار بار گنتے تھے اور ایک شخص کو

اصلی تعداد سے زیادہ پاتے تھے۔ اسی واقعہ کی نفسیاتی کیفیت کو مسٹر ایلین نے تلمیحا مستعار لیا ہے۔

ایک بھورا لہادہ پہنے ہوئے اور سر پر کچھہ اڑھے ہوئے

معلوم نہیں مرد ہے کہ عورت

— لیکن بتاؤ تو سہی وہ کون ہے تمہاری دوسری جانب؟

* ہوا میں یہ بلند آواز کیا ہے

مادرانہ گریٹ و زاری کی آواز

یہ نقاب پوش مجھے کون سے ہیں

جو، نا پیدا کنار مہدائیں میں جمع ہو رہے ہیں اور چٹختی ہوئی زمیں

پر تھوکریں کھا رہے ہیں

زمین پر جس کے گرد صرف اُفق محسوس ہے

پہاڑوں پر یہ کون سا شہر ہے

جو شفق گوں ہوا میں چتخ رہا ہے اور سنبھل رہا ہے اور پھٹ رہا ہے

گرتے ہوئے مہنار

یروشلم اٹھنے اسکندریہ

وی آنا لندن

بے اصل

ایک عورت نے اپنے لمبے لمبے کالے بالوں کو

ستار کے تاروں کی طرح کھیلچ کر سرگوشی کے سر میں کچھہ بچھایا

اور چمکا دیا، شفق کی روشنی میں معصوم صورت بنائے ہوئے

* مشرقی یورپ آسٹریا ریاست بلقان اور ہنگری وغیرہ کی جنگ کے بعد کی تباہی کا تصور اس حصہ

نظم میں پیش کیا گیا ہے -

گنگنائے لکھیں اور اپنے پر پھڑ پھڑا کے
 سر کے بل کالی دیوار سے رینگ کے نیچے اُترنے لگیں
 ہوا میں مہلار اُٹتے کھڑے تھے
 اور یاد دلانے والی گھنٹہاں بجادے تھے جن میں
 وہی آوازیں پنہاں تھیں جو خالی مراحوں اور تھکی ہوئی دیواروں سے
 گانے گاتی تھیں،

پہازوں کے درمیان اس خراب و خستہ بل میں
 چاند کی مدھم روشنی میں، خانقا کے قریب —
 ویران خانقاہ جو محض ہوا کا مسکن ہے —
 پامال قبرروں پر گھانسی گانے گاتی تھی
 خانقاہ میں کھڑکیاں نہیں، دروازہ ہلکا ہے
 سوکھی ہوئی ہڈیاں کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں -
 صرف ایک مرغ چھت کے نیچے کھڑا ہوا
 کو کوری کو کو کوری کو (ککڑوں کوں - ککڑوں کوں)
 بجلی کی چمک میں بانگ دے رہا ہے - پھر ایک بھیڑا ہوا جھونکا
 پانی برساتا ہوا -

... ..

* گلکا سوکھ گئی اور سر جھائی ہوئی پتھیاں
 پانی کا انتظار کرنے لگیں اور کالے کالے ہاڈل
 دور دراز 'ہماونت' پر چھا گئے
 جنگل سمٹ گیا اور جھلجھلا کے خاموہی ہو گیا
 تب گرج نے کہا

۱۵۱

د ت) ہم نے کہا دیا

مہرے دوست ، خون جو مہرے دل کو لڑا رہا ہے

لےکھ بھر کے لیے شکست کی خوفناک ہمت

عمر بھر کی احتیاط بھی جس کی تلافی نہیں کر سکتی

اس کی ، اور متعص اس کی وجہ سے ہم زندہ رہے

یہ وہ چھڑ ہے جو ہماری موت کی دستاویز میں نہیں مل سکتی

† اور نہ اُن یاد گاروں میں جن پر متعصن مکتوی نے جلا تن دیا ہے

اور نہ اُن میں جن پر کی ثبت شدہ مہر دیلے پتلے وکیل نے توڑی ہے

ہمارے خالی کمروں میں

دا

دید ہم) (میں نے دروازے میں ایک بار

کلنجی کے گہو ملے کی آواز سنی ، صرف ایک بار گہو ملے کی آواز

ہم کلنجی کا تصور کر رہے ہیں ، ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے تہذ خانے میں

کلنجی کا تصور کر رہا ہے - ہر شخص قید خانے کو تسلیم کر لیتا ہے

متعص رات کے وقت ، صرف اُرتی ہوئی فضائی خبریں

* † ہندوستانی ناظرین اس حصے کو غالباً بہت دلچسپی سے پڑھیں گے جس میں شاعر مغرب کی تباہی اور تباہی کے آثار سے پریشان ہو کر ہندی فلسفے میں پناہ لیتا ہے - اس حصے کے شروع میں وہ ایک پتھریلے پہاڑ میں پیاسا بھنگ رہا تھا جہاں چٹائیں تھیں اور پانی نہیں تھا - آخر کار اُسے پانی بوسانے والے گرج کی آواز آپنشد کا یہ جملہ دھراتی ہوئی سٹائی دیتی ہے ”دت ، دیدہم ، دمیٹ“ (دے - ہمدردی کر - قابو رکھو) - اور اس گرج کے آواز کے درمیان میں اُس کے خیالات کی روانی پُر اپر جاری رہتی ہے -

† یہ کنوا Webster کے قرعے ”سفید بھوت“ کے اس جملے سے متاثر ہے - ”وہ دوسری شادی کر لیں گے قبل اس کے کیڑے تمہارے گھس کر کھاسکیں یا مکتوی تمہارے سنگ تربت پر جلا تن سکے“

* ایک لمحہ کے لیے شکستہ 'کھر یولانس' کو زندہ کر دیتی ہیں۔

۱۵

دمیت () کشتی نے شکستگی سے (اثبات میں) جواب دیا۔

اُن ہاتھوں کے لیے جو بادباں اور پتواریوں کو سنبھالنے میں مشاق تھے

سندس ساکن ہو گیا۔ تمہارا دل بھی جب اُسے دعوت دی جاتی

شکستگی سے جواب دیتا

اور سنبھالتے ہوئے ہاتھوں میں

اطاعت سے دھوکے لگتا۔

... ..

میں کنارے پر بیٹھا

+ مچھلیوں کا شکار کر رہا تھا۔ میرے پیچھے بلجر میدان تھا

میں کم سے کم اپنی زمین کو تو درست کر لوں

‡ لندن کا پل گر رہا ہے، گر رہا ہے،

§ پائے سسکوڑے نل فو کو کے لی افی نا،

کو اندو فیام چھو کیلی دون — § اے سارس، سارس

[تب وہ اُس آگ میں غرق ہو گیا جو اُسے جلادے دہی تھی

* شکسپیر کے مشہور تراے Coriolanus کا ہرر،

+ مس ولستان کی کتاب From Ritual to Romance سے "ماہی گیر بادشاہ" کی تلمیح

مستعار لی گئی ہے۔

‡ دانتے :- بھشت

Poi s'ascose nel foco che gli affina

Quando fiam ceu chelidon

§ انگریز شاعر Swinburue کی ایک نظم جس میں سارس سے خطاب ہے۔ اُس سے یہ الفاظ کسی قدر

پے رہا طور پر مستعار لیے گئے ہیں۔

اے سارس، سارس [

میں سارس کب بن سکوں گا؟

* لی پرائس داک کی تون آلا تور ابولی

[شہزادہ اکی تہن شکستہ مہلار پر]

یہ ٹکڑے میں نے اپنے ویرانے کے پاس جمع کیے ہیں

کہوں اب تو میں تمہارے قابل ہوں - + 'ہیرونے مو' پھر پاگل ہو گیا

د ت - دید ہم - د میت -

شانعی شانعی شانعی

* Gerard de Nerval : -

Le Prince d'Aquitaine a la tour abolie

† ہیرونے مو (Hieronymo) انگریز ڈراما نگار kyd کے ڈرامے Spanish tragedy کا ایک کردار جس

کے لڑکے کو سازشیوں نے قتل کر دیا تھا - صدیوں سے اسے انتقام کی مہم میں وہ پاگل ہو گیا -

ادبی معلومات

- ۱ - پلذت نہرو اور ہندی پرچار ماخوذ از ہندی پرچار
 - ۲ - پریم چلد کے خطوط ” از وشال بہارت کلکتہ
 - ۳ - صوبہ برما اور اردو از ” اداۃ “
-

ادبی معلومات

از

پلڈت نہرو اور ہندی پرچار

گزشتہ ستمبر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے صدر پلڈت جواہر لال نہرو نے صوبہ مدارس کا دورہ کیا تھا - مدراس میں انہوں نے ہندی پرچار سبھا کی نئی صدارت کا افتتاح کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر کی —

میں کچھ عرصہ سے یہاں کی دکن بھارت ہندی پرچار سبھا اور اس کی کارگزاری کا چرچا سن رہا تھا - مجھے حیرت تھی کہ یہ انجمن اتنے تھوڑے سے آدمیوں کی مدد سے اتنا اچھا کام کیوں کر انجام دے رہی ہے - حکومت وقت کی مدد کے بغیر ایک نئی زبان سکھانے کا کام نہایت دقت طلب ہے - میری دانست میں آپ کی کامیابی کے دو خاص اسباب ہیں - ایک تو یہ کہ دکن کو ہندی کی بڑی چلت ہے اور پھر یہ کہ جنہوں نے اس کام کا بھڑا اٹھایا وہ اپنی دھن کے پکے ہیں - آپ کی کامیابی سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں کے لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ ادارہ ان کے لیے مفید ہے - کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کے اس پہلو پر اپنی طرف سے زور دوں —

دکن میں ہندی پرچار کا سوال بہت اہم ہے - ہندی کے ذریعہ سے قومی تحریکوں کو بڑی تقویت پہنچ سکتی ہے - میں مختلف چھوڑوں کو

پسند کرتا ہوں لیکن اُن میں سے ہر ایک کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔
 علیٰ ہذا القیاس میں ہندی کی بھی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ لیکن اس
 کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں ہندی پر چار کو ضروری نہیں سمجھتا۔
 ایک زبان کے پھیلنے سے آگے چل کر ملک کا بھلا ہوگا۔ لسانیات سے مجھے
 خاص دلچسپی ہے۔ ہندی کے متعلق حال ہی میں اخباروں میں مہرا
 جو خط شایع ہوا تھا وہ مہرے دعووں کا ثبوت ہے۔ —

زبان کا مسئلہ صرف دکن کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام ملک کے لیے
 اہمیت رکھتا ہے۔ ہماری بڑی بڑی دس بارہ زبانوں کو ہم دو خاندانوں
 میں بانٹ سکتے ہیں۔ ایک سنسکرت کی بیٹھیاں۔ دوسری تامل
 تہلگو وغیرہ کی سہیلیاں۔ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے دور ہوتے
 ہوئے بھی آپس میں گہل مل گئے ہوں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ
 کسی بولی کو دبا کر اپنی زبان کو ابھاریں۔ مہرا عقیدہ ہے کہ ہر
 آدمی اپنی مادری زبان کے وسیلہ سے ہی ترقی کر سکتا ہے۔ ہمارا مقصد
 یہ ہے کہ پرانی زبانوں کی بنیادیں مضبوط کی جائیں اور انہیں
 کے ذریعہ تعلیم عام کی جائے۔ لیکن پورے ملک کا احاطہ کرنے اور
 مختلف علاقوں میں باہمی تعلق پیدا کرنے کے لیے ہندی کو رواج
 دینا چاہیے۔ میں انگریزی کا مخالف نہیں ہوں۔ بیرونی دنیا
 کو سمجھنے اور اس کے ساتھ چلنے کے لیے بدیسی زبانوں کو سیکھنا
 اچھا ہے۔ لیکن سب لوگ یہ نہیں کر سکتے۔ اس کی مہلتا بہت تھوڑے
 سے آدمیوں کو ملتی ہے۔ —

ہندوستان کے دو تہائی حصے میں ہندی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔
 صرف ایک تہائی حصے میں اسے پہچانا ہے۔ اس لیے اگر آپ ہندی

کو اختتامی مضمون کی حیثیت سے سیکھ لیں تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے پچھلی مرتبہ جب میں یورپ گیا تھا تو ہالینڈ میں ایک پروفیسر نے مجھ سے اس وجہ سے معافی مانگی کہ وہ صرف بارہ زبانوں کا ماہر تھا ! اس سے تمہیں کولہجھے کہ کئی زبانیں حاصل کرنا اسو محال نہیں ہے اور مغرب میں عام طور پر کئی زبانوں کے جاننے والے ملتے ہیں - سویتزرلینڈ میں سب کو تین زبانیں سیکھنی پڑتی ہیں - لہذا کوئی نئی زبان پڑھنے سے گھبرانا نہ چاہیے -

پبلک جلسوں کی کاروائی ہندی میں ہی ہوتی ہے - کانگریس کے اجلاسوں میں دکن والے پیچھے رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ ہندی نہیں سمجھتے - یوں بھی آپ کا ہندی سیکھنا لازمی ہو جاتا ہے -

خاتمہ کلام سے پہلے میں ہندی اور اردو کے قضیہ کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں - واقعاً یہ دونوں زبانیں ایک ہوں اور ”ہندوستانی“ ان دونوں کا سنگم ہے - کانگریس کے دستور عمل میں بھی ’ہندوستانی‘ کا ہی نام ہے - اب صرف رسم خط کا سوال رہ جاتا ہے - اسے فرقہ وارانہ رنگ نہ دینا چاہیے - ’ہندوستانی‘ کی جگہ بہوم ہندوستان ہے - میں گھر پر اور اپنے دوستوں سے اردو میں بات چیت کرتا ہوں - لیکن میں اسے ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ یہ مسلمانوں کی جائداد * ہے -

آپ کے ادارے کا نام ہندی پر چار سہا ہے - لیکن آپ کو ہندی کا

* معلوم نہیں کہ پلٹ جی اور ان کے بعض رفقا کو یہ خیال کہاں سے پیدا ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کا ایسا خیال ہو گیا ہے - آج تک اردو کے کسی ادیب نے ایسا خیال ظاہر نہیں کیا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیا اچھا ہوتا اگر پلٹ جی یہ بھی فرماتے کہ یہ راے انہوں نے کیونکر قائم کی یا کئی مسلمان ادیبوں کی تعزیر یا تقریر سے انہیں یہ راے قائم کرنے کا موقع ملا -

صحیح مفہوم بھی سمجھنا چاہیے - اردو سے اس کا کوئی بھر نہیں ہے - یہاں والے اس لفظ کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں کیونکہ وہ سسکرت سے قریب ہیں - ناموں پر جھگونا یا ان سے ڈرنا بھکار ہے - زمانہ کا رنگ یہ ہے کہ لوگ ہر نیک کام کی تخریب کے درپے رہتے ہیں - انصاف تو یہ ہے کہ ترقی کا موقع سب کو ملنا چاہیے -

(ماخوذ از ہندی پرچارک)

پریم چند کے خطوط

ہمارے دوست پلڈت بنارس داس چٹرویدی نے اپنے رسالہ ”وشال بھارت“ میں پریم چند آنجہانی کے خطوط کے اقتباس شایع کیے ہیں جن سے اُن کی زندگی اور کردار کے کئی پہلو روشن ہوتے ہیں -

نہچے ہم ان کا ترجمہ چھاپتے ہیں :

”میری تدائیں بہت محدود ہیں - اس وقت سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ ہم اپنی جنگ آزادی میں کامیاب ہوں - میں دولت اور شہرت کا خواہش مند نہیں ہوں - کھانے بھی کو مل ہی جاتا ہے - موٹر اور ہنگلے کی مجھے ہوس نہیں ہے - ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دو چار بلند پایہ تصنیفیں چھوڑ جاؤں لیکن ان کا مقصد بھی حصول آزادی ہی ہو - اپنے دونوں لڑکوں کے لیے بڑی میں کوئی منصوبہ نہیں رکھتا - صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایماندار مخلص اور مستقل مزاج ہوں - عیش پسند ، دولت پرست اور خوشامدی اولاد سے مجھے نفرت ہے - میں بے حرکت زندگی کو بھی ناپسند کرتا ہوں - ادب اور وطن کی خدمت کا

مجھے ہشہ ڈھیان ہے - یہ ضرور چاہتا ہوں کہ دال روٹی

اور معمولی کھڑے مہسر ہو جائیں۔“ (۳ جون سنہ ۱۹۳۰ ع) -

جو ”آدمی سونے روپے سے لدا ہو، میں ہوگز بارر نہیں کر سکتا کہ وہ کسی بھی حیثیت سے بڑا ہو سکتا ہے - دولت مند کو دیکھتے ہی آرت اور علم کے متعلق اس بلند بانگ بڑبولوں کو میں دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس شخص نے اس ساجی نظام کی تائید کی ہے جو امیروں کے ہاتھوں غریبوں کی خون آشامی پر قائم ہے - ایسا کوئی بڑا نام مجھے متاثر نہیں کر سکتا جو دولت کا پجاری ہو۔ بہت ممکن ہے کہ مہری ناکام زندگی نے میرے جذبات کو اتنا تلخ بنا دیا ہے - بھلک میں کوئی موتی رقم جمع کرنے کے بعد شاید میں بھی ان جیسا ہو جاتا اور لالچ کا مقابلہ نہ کر سکتا - لیکن مجھے فخر ہے کہ فطرت اور قسمت نے مہری مدد کی اور مجھے غریبوں کا شریک بن دیا - اس سے مجھے روحانی تسکین ملتی ہے -“

(افرووری سنہ ۱۹۳۵ ع) -

”میں نے سنہ ۱۹۰۷ ع میں افسانہ نویسی شروع کی تھی - ایک سال بعد ”سوز وطن“ کے نام سے پانچ کہانیوں کا پہلا مجموعہ زمانے پریس نے شایع کیا - ہمہو پور کے کالمکٹر نے اس کتاب کے کل نسخے یہ کہہ کر جلا دیئے کہ ان میں بغاوت کی بو ہے - لیکن بعد ازاں یہ مقبول ہوئے اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں -

آپ کے اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے کہ میرے سب سے اچھے ناول افسانے کون سے ہیں - اب تک دوسو سے زیادہ افسانے لکھے چکے ہوں ان میں سے کہاں تک انتخاب کروں یادداشت پر بھروسہ کر کے لکھتا

ہوں: (۱) بڑے کھر کی بھٹی - (۲) رانی سارندھا - (۳) نمک کا داروغہ -
 (۴) سوت - (۵) زیور - (۶) کفارہ - (۷) تمنا - (۸) مندر اور مسجد -
 (۹) گھاس والی - (۱۰) حج اکبر - (۱۱) ستھاکرہ - (۱۲) بدنامی -
 (۱۳) سکی - (۱۴) لہلہ - (۱۵) منتر —

میں کسی مصنف کے طرز سے خاص طور پر متاثر نہیں ہوا -
 پلٹ رتن ناتھ سرشار کا زیادہ اور تھگور کا تھورا سا اثر
 مجھ پر ضرور ہے —

آمدنی کا حال نہ پوچھے - پرانی کتابوں کا گای رایت ناشرین
 کو دے دیا - 'پریم پچیس'، 'سہرا سدن' (بازار حسن کا ہندی نام)
 'کنج عافیت'، 'زاد راہ' وغیرہ کے لیے ہندی دستک ایچلسی نے یک مشہ
 تین ہزار روپے دیے تھے چونکہ ہستی کے ہندی ایڈیشن کے لیے
 ۱۸ سو مل گئے - باقی مجموعوں کے لیے سو دو سو سے زیادہ نہیں ملے -
 اپنی نئی کتابیں ہندی میں میں نے خود شایع کیں لیکن ان سے
 بمشکل چھ سو روپے وصول ہوئے - متفرق مضامین سے ماہانہ بیس
 پچیس روپے مل جاتے ہیں - اردو سے اب تک دو ہزار روپے ملے
 ہوں گے - 'چوگان ہستی' اور کنج عافیت - دونوں آتھ سو میں دے دئے
 تھے - کوئی ناشر ہی نہ ملتا تھا —

صوبہ برما اور اردو

برما کی سرکاری رپورٹوں کے مطابق وہاں ہندوستانی بولنے والوں
 کی تعداد ۳۵۰۳۶۸ ہے حکومت کی نظر میں ہندوستانی اردو کا دوسرا
 نام ہے لہذا، سنہ ۱۹۲۰ ع میں ہی اردو بطور اختیاری مضمون مدرسے

میں داخل کر لی گئی اور اس کی تعلیم کا خاص انتظام کیا گیا۔ اس وقت تقریباً دو سو اسکول اردو سکھانے کے لیے موجود ہیں اور ان کی نگرانی تین ذہنی انسپکٹروں کے سپرد ہے —

ایک ہندی کے پر چارک کا بہانہ ہے کہ برما میں ہندی کی تحریک آریہ سماجیوں نے شروع کی۔ اب ہندی کے ۱۳ اسکول قائم ہو گئے ہیں اور اسے پھیلانے کی کوشش چند ہندو سادھو بھی کر رہے ہیں۔ اردو کا ایک تھپڑ ترینگ اسکول بھی کھل گیا ہے —

انکار و واقعات

اردو کے چند ادیبوں کی وفات

گزشتہ سال میں اردو کے بعض ایسے ادیب اس دنیا سے چل بسے جنہوں نے زبان کی قابل قدر خدمت کی تھی - پلڈت شہر نرائین شمیم اردو کے پرانے انشا پرداز اور شاعر اور مولوی نور الحسن مولف نور اللغات کے انتقال پر اظہار افسوس کیا جا رہا تھا کہ اسی اثنا میں منشی پریم چند اوو اس کے بعد اصغر گوندوی کے انتقال کی خبر پہنچی —

منشی پریم چند اردو اور ہندی دونوں کے ادیب تھے اور دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے - اردو میں جدید طور کی مختصر افسانہ نویسی کی بنیاد انہوں نے ہی رکھی - ان کے بعض افسانے ایسے ہیں کہ جب تک اردو زبان ہے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور شوق سے پڑھ جائیں گے - علاوہ اس کے وہ اپنے پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ سیرت کی وجہ سے ملک میں بہت مقبول تھے - وہ بڑے زندہ دل ہنس مکھ، بے دیا اور مخلص تھے - سوائے خاص حالات کے وہ کبھی بحث و تکرار میں نہیں پڑتے تھے - بہارتہ سہتیکہ پرشد کے جلسے میں جو ناگہور میں ہوا تھا وہ اگرچہ زیادہ تر خاموش رہے مگر اس کے فیصلے سے خوش نہیں تھے - پرشد نے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا - رسالہ ہنس پرشد نے لے لیا تھا لیکن ادا پتر بدستور منشی صاحب مرحوم ہی رہے صرف ان کے ساتھ مسٹر کلہلال منشی کے نام کا اضافہ ہو گیا تھا - چہچہتا بھی انہوں نے مطبع میں تھا

بعد میں پرشد نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے بمبارس کے دہلی میں چھپا کرے۔ وجہ یہ بتائی کہ دہلی میں کسی قدر سستا چھپے گا۔ منشی جی بڑے فہور تھے انہیں یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور اس کا بہت صدمہ ہوا۔ مرنے سے قبل انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ وہ دلی سے ایک مختصر رسالہ خاص ہندوستانی زبان میں نکالنا چاہتے ہیں لیکن مصارف کی طرف سے معرودہ تھے۔ اس کا میں نے اطمینان دلایا تھا کہ خرچ کی فکر نہ کھیچے وہ مجھے پر چھوڑ دیجئے لیکن انیسویں کے عمر نے وفاتہ کی اور ایک ایسا شخص ہم میں سے اٹھ گیا جس کا ہمیں مدت تک افسوس رہے گا۔

اصغر گوندوی بہت سادہ الطبع اور بلند خیال شخص تھے۔ یہی طبیعت کارنگ ان کی شاعری میں بھی پایا جاتا تھا۔ اس سال ہندوستانی اکیڈمی میں ان کی جگہ خالی دیکھ کر بہت قلق ہوا۔ ان کی شاعری اردو نظم میں خاص درجہ رکھتی ہے۔ وہ بہت شریف النفس، مرنج و مرنجان سچے دوست تھے۔

گزشتہ دسمبر میں میرے عزیز اور قابل شاگرد اور مددگار شیخ چاند ایم۔ اے۔ 'ال ال۔ بی' دی سرچ سکلر جامعہ عثمانیہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ بہت ہونہار نوجوان تھا اور اس کا شمار جامعہ عثمانیہ کے قابل ترین طلبہ میں تھا۔ وہ بہت ہی اچھا ادبی ذوق رکھتا تھا اور بہت شستہ اور صاف نثر لکھتا تھا۔ محض اپنی محنت اور شوق سے اس نے اردو ادب کے متعلق وسیع معلومات حاصل کی تھیں۔ اس کی تحریروں کو ابھی سے مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کا تحقیقی مقالہ سودا کے کلام و جہات پر اس کی ادبی تحقیق کی زینت یادگار ہے۔ مقالہ چھپ چکا ہے لیکن افسوس کہ اس کی زندگی میں شایع نہ ہو سکا۔ وہ شروع

سے مہرے ساتھ تھا اور آخر تک مہرے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس جوان مرگ کی موت کا مجھے بہت صدمہ ہے۔ اس سے بڑی بڑی توقعات تھیں لیکن اس کی بے وقت موت سے سب پر پانی پھر گیا۔ ابھی اس نے زندگی کی تیس منزلوں کی تھیں کہ داغ مفارقت دے گیا اور افسوس کہ اردو کا ایک اور خادم کم ہو گیا —



انجمن کی شاخیں

انجمن ترقی اردو کی اردو کانفرنس منعقدہ علی گڑھ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اردو داں طبقہ اپنی زبان کی ترقی اور اشاعت کی طرف زیادہ مائل ہو چلا ہے۔ ہمارے ہر جوش اور مستعد دوست متعدد بھول خاں دانا صاحب نے چوموں (چپور) میں انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ اردو کے بڑے زبردست حامی اور بڑے مستعد کام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ مہاتما گاندھی سے ان کی مراسلت اردو کے متعلق اخباروں میں شائع ہو چکی ہے۔ ہمیں قوی امید ہے کہ یہ انجمن راجپوتانہ میں مفید کام کرے گی —

ایک دوسری انجمن بالاپور (ہرار) میں الحاج خان بہادر سید محمود صاحب قادری جاگیردار اور مولوی سید شاہ امام صاحب نقشبندی جاگیردار کی سرپرستی میں قائم ہوئی ہے اس کے صدر سید آل محی الدین صاحب ہادی نقشبندی جاگیردار اور ناظم غلام صوفی جھدری صاحب اور نائب ناظم حکیم محمد معصوم ارماں صاحب ہیں۔ انجمن کے معزز صدر ایک قابل تعلیم یانقہ نوجوان ہیں اور اچھے صوبے میں ہو دلعزیز اور معزز ہیں۔ اس انجمن کے بڑے بڑے منصوبے ہیں جن پر عملدرآمد

کی کوشش کی جا رہی ہے —

دائرۂ ادبیۃ پشاور نے بھی جس کے ناظم عبدالودود خان صاحب، قمر بی۔ اے۔ ہیں، اپنا الحاق انجمن سے منظور کر لیا ہے۔ اور وہ ان مقاصد کے عمل میں لانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں جو انجمن کی شاخوں کے لیے قرار دیے گئے ہیں —

بدایوں میں مولوی سید محفوظ علی صاحب بی۔ اے کی سعی سے انجمن کی ایک شاخ قائم ہوئی ہے۔ اگرچہ اس وقت کونسل کے انتخابات کی وجہ سے فوراً کوئی عملی کارروائی شروع نہیں ہوئی لیکن سید صاحب اور ان کے ہم خیال رفقا کے جوش اور مستعدی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کامیابی سے کام کرے گی —

میں ابھی ناگپور گیا تھا۔ وہاں بھی انجمن کی ایک شاخ قائم ہوئی ہے۔ یہ حکیم مولوی اسرار احمد صاحب کی سعی کا نتیجہ ہے۔ حکیم صاحب بہت ہی پر جوش اور متخلص کام کرنے والے ہیں۔ انجمن کے صدر ہمارے قدیم اور ممتاز دوست خان بہادر حافظ محمد ولایت اللہ صاحب بی۔ اے ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر اور سیکرٹری عبدالجبار خان صاحب سیکرٹری مسلم صدر لائبریری ناگپور ہیں۔ ناگپور وہ مقام ہے جس نے ہمیں بیدار کیا ہے اس لیے وہاں ایک مستقل اور مضبوط انجمن کی ضرورت ہے اور مجھے انجمن کے قابل ارکان سے یہ توقع ہے کہ وہ اسے حقیقی انجمن ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ ناگپور میں پہلے سے اردو کے تین کتب خانے موجود ہیں جو برائے نام نہیں بلکہ کام کر رہے ہیں اور روزانہ لوگ وہاں مطالعہ کے لیے آتے ہیں —

پھر وہی ہندی اردو کی بحث

گذشتہ سمبر میں کاکا کالہکر صاحب لاہور تشریف لے گئے تھے۔ وہاں
مہاں بشیر احمد صاحب اڈیٹر ہمایوں کے مکان پر ایک مختصر سی صحبت
میں میاں صاحب، مولانا ظفر علی خاں اور کاکا کالہکر کے درمیان زبان
کے مسئلہ پر بہت دلچسپ گفتگو رہی۔ اس کے چند آخری جملے یہاں
نقل کئے جاتے ہیں۔

مولانا۔ چوتھی جو قومیت کے لیے ضروری ہے وہ زبان ہے۔

کاکاجی۔ اسی لیے تو ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کی قومی زبان ایک ہو جائے۔

مولانا۔ تو آپ کے نزدیک وہ کون سی زبان ہے؟

کاکاجی۔ یہی جو ہم آپ بولتے ہیں۔

مولانا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس کا نام کیا ہے۔

کاکاجی۔ ہندی۔

مولانا۔ اور اس کا نام اردو کہوں نہیں۔

کاکاجی۔ یہ ایک فرقے کی زبان کا نام بن چکا ہے اور یہ صرف مسلمانوں

کی زبان ہے۔

کاکاجی کا یہ فرمانا کہ اردو ایک فرقے کی زبان کا نام بن چکا ہے اور

یہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے صریحاً غلط ہے۔ جو لوگ اردو زبان کی

تاریخ سے ناواقف ہیں وہ اکثر اس غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ اردو خالص

ہندوستانی زبان ہے اور یہیں کی پیداوار ہے اس کے بنانے والے زیادہ تر

ہندو تھے۔ ہم اس موقع پر اس مسئلے پر بحث کرنا نہیں چاہتے اور ناظرین

کو صرف اس خط کے پڑھنے کی زحمت دینا چاہتے ہیں جو بابو سندralال صاحب

نے مہاتما گاندھی کو اس بارے میں لکھا تھا اور جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

بابو صاحب نے اس میں بڑی سچی سچی باتیں لکھی ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں چند ایسے انصاف پسند، بے لاگ اور شریف النفس شخص اور پیدا ہو جائیں تو زبان کا یہ جھکڑا ہمیشہ کے لیے چک جائے۔

بابو سندر لال صاحب کا خط سہا تھا گاندھی کے نام

پہلی اگست کے ہریجن سہوک میں میں نے آپ کا لکھہ (مضمون) غلط فہمیوں کی گتھی پڑھا تھا۔ اسی وقت آپ کو کچھ لکھنے کا مجھے خیال ہوا تب سے اب تک کئی بار یہ خیال ذہن میں آیا۔ لیکن کئی سببوں سے سلکوج (جھجک) کر کے رہ گیا۔ حال میں ایک دوست نے مجھے لاہور کے اردو روزانہ انقلاب کا ۳۰ مئی کا پرچہ لاکر دیا جس میں اُکھل بہارتیہ ساتھ پرشد کے ناگپور اجلاس کے بارے میں مولانا عبدالحق کا لمبا خط چھپا ہے، ظاہر ہے یہ خط آپ نے دیکھا ہے اور جن کتنوں کو سامنے رکھ کر آپ نے اپنا لکھہ (مضمون) لکھا ہے۔ ان میں یہ خط بھی رہا ہوگا۔ محض اپنا فرض سمجھ کر میں آج یہ لمبا خط لکھ رہا ہوں، آپ کے لکھہ (مضمون) کی نیچے لکھی ہوئی باتوں کی طرف میں آپ کا دھیان دلانا چاہتا ہوں۔

() ”اردو نام خاص طور سے اور خاص مطلب سے رکھا گیا“ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اردو زبان کی تاریخ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ نام اسی طرح خود بخود اس سے پہلے کی ہندی یا ہندوی کے ساتھ بہت سے ایسے عربی، فارسی، ترکی شہدوں (لفظوں) اور معادروں کے میل سے بنی ہوئی زبان کے لیے رائج ہونے لگا جو لہکری لوگوں میں بولے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ بالکل قدرتی تھا۔ کسی بھی خاص مطلب سے کسی نے یہ نام نہیں رکھا تھا۔ اس کے بعد عرصے تک اس نئی ملی جلی اور سرورجہ زبان کے لیے ہندی اور

ہندوی شہد (لفظ) بھی استعمال ہوتے رہے، یہ دونوں نام بھی مسلمانوں ہی کے رکھے ہوئے ہیں مسلمانوں ہی نے پہلے پہل اس زبان کو جو ان سے پہلے ہندوستان کی راجدھانی کے آس پاس بولی جاتی تھی، ہند سے ہندی یا ہندوی کہنا شروع کیا۔ ایسے اپنا یا اور ایسے ترقی دی۔ بعد میں جب اس زبان میں فارسی، عربی، ترکی سے کچھ شہد (لفظ) اور متعارف مل کر اس کا روپ (شکل) بدلا تو ہندی نام کی جگہ صرف اردو نام کا استعمال ہونے لگا بھی ایک قدرتی چیز تھی۔ آپ جانتے ہی ہیں فارسی میں (اردو) لشکر یا لشکر گاہ کو کہتے ہیں۔ اسی سے دلی میں اردو بازار تھا جہاں اس نئی زبان نے شکل اختیار کی۔ مشہور شاعر غالب نے سلہ ۵۷ ع کے بعد کئی دلی کی بربادی کو بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔ ”دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہتے چلے جاتے ہیں واہ رے حسن اعتقاد اڑے بندہ خدا! اردو بازار نہ رہا، اردو کہاں، دلی کہاں، واللہ اب شہر نہیں ہے کہیں ہے، چھاوٹی ہے۔“

(۲) ہندی اور اردو ان دونوں شہدوں کا جنم کبھی بھی اور کسی طرح ہوا ہو اور ان کے مصدوری معنی کچھ بھی ہوں، اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آج یہ دونوں نام ہندوستانی زبان کی دو الگ الگ شکلوں کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ اور ان کے دو صاف الگ الگ مروجہ معنی ہیں۔ ایسی صورت میں جو لوگ ان دونوں شکلوں کو پھر سے ملا کر ایک زبان بنانا چاہتے ہوں انہیں کسی تیسرے نام کا سہارا لینا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں اس سچائی کو متعصبوں کو بھی آپ نے بخیر کچھ سال پہلے ”ہندوستانی“ (لفظ) کو استعمال کیا تھا اور ملک کو سکھایا تھا۔ پھر اب وہ حالت بدل گئی۔

(۳) آپ کے یہ الفاظ پڑھ کر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وہ (یعنی اردو والے) بھاشا (زبان) کا دیا کرن (قواعد) بھی بدل دیتے ہیں۔ ”مجھے اور بھی دکھ اور چھرائی ہوئی پچھلے پانچ سات سو برس کے اندر اندر کی ہندوستانی زبان کی مختلف شکلوں پر جتنی اچھی کھوج (تحقیق) گزشتہ تیس سال میں مولانا عبدالحق نے کی ہے شاید کسی دوسرے نے نہیں کی۔ اس کے علاوہ اگر آپ اردو ہندی دونوں کے ودوان (عالم) مذہبی پریم چند سے دریافت کر لیتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اصلیت اس سے تھیک برعکس ہے۔ مجھے خود کم سے کم اٹھائیس سال سے آج کل کی اکثر ہندی (اس شہد (لفظ) کا استعمال میں مروجہ ہی معلوم نہیں کر رہا ہوں) مصنفوں سے اس معاملہ میں کافی شکایت ہے۔

شاید آپ کے دھیان میں یہ بات نہیں ہے کہ اس وقت کی کتابی ہندی ہندوستان کے کسی بھی ضلع یا نگر یا گاؤں کی بول چال کی زبان نہیں ہے۔ الہ آباد کے تعلیم یافتہ سے تعلیم یافتہ پنڈت (کاشمیروں کو چھوڑ کر) جب اپنے گھروں میں بات چیت کرتے ہیں۔ ”ہمارے دو درے اک سہوارو کھڑی یا“ (ہمارے دروازے پر ایک عورت کھڑی ہے) بنارس کے پنڈت تو اور بھی عجیب زبان بولتے ہیں۔ جس کو نہ میں سمجھتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں۔ ان الہ آبادی اور بنارس زبانوں کا دیا کرن (قواعد) ہندی یا اردو کے دیا کرن سے بالکل ایک مختلف چیز ہے۔ کشمیری بلاشبہ خالص ہندوستانی بولتے ہیں۔ لیکن اگر ان کی بول چال کی زبان کو اردو یا ہندی دونوں میں سے ایک نام دینا پڑے تو وہ اردو ہے ہندی نہیں۔ اگر آپ کسی ان پڑھ کشمیری بڑھیا کو پکڑ کر آئے کسی اردو اخبار کا ایک کالم پڑھ کر سنائیں اور پھر اسی طرح مضمون پر کسی ہندی سماچار پتر (اخبار)

کا ایک کالم سنائیں تو جتنا اردو اخبار سے اس کے پلے پڑ سکے گا اتنا ہندی سماچار پتر سے نہیں پڑے گا۔ برخلاف اس کے آج کل کی اردو بلاشبہ کچھ مقاموں کی بول چال کی زبان ہے۔ لکھنؤ، دلی، میرٹھ، مراد آباد اور آس پاس کے کچھ علاقوں میں بھی خالص اردو بولی جاتی ہے۔ دلی، میرٹھ کی مہترانیاں بھی خالص اردو بولتی ہیں۔ لکھنؤ اور دلی کی زبانوں میں بھی فرق ہے۔ لیکن وہ اتنا باریک ہے کہ بڑے سے بڑے ودیشی یا دیگر صوبوں کے عالم بھی کبھی کبھی اُسے نہیں پکڑ پاتے۔

آپ کی اجازت سے میں اپنے ہی گھر کی مثال دینا چاہتا ہوں۔ میری دادی مہابن کی دھلے والی تھیں جو برج کا مرکز ہے اور ان پڑے تھیں۔ ماں دلی کی تھیں اور صرف ناگری حروف پڑے سکتی تھیں۔ مہرے گھر میں قہقہہ بھی زبان بولی جاتی تھی، جس میں میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ محض دو باتوں میں فرق تھا۔ ایک تو سلسکرت شبدوں کی جگہ اردو و فارسی سے زیادہ عام فہم الفاظ تھے اور دوسرے وہ زبان زیادہ بامسکاورہ تھی، میری زبان ادھر ادھر کھولنے اور ہر طرح کی چیزیں پڑھنے کی وجہ سے کھچڑی ہو گئی تھی۔ میری ان پڑے دادی دن نہیں سمجھتی تھیں۔ قرضہ سمجھتی تھیں۔ بدھائی کی بجائے ان کی زبان پر مبارکباد زیادہ چڑھا ہوا تھا اور 'ملش'، 'جیو'، 'پرتھوی'، 'دشا' وغیرہ کی جگہ 'آدمی'، 'زبان'، 'زمین' اور حالت لفظوں کا استعمال کرتی تھیں۔ یہی زبان میری ماں کی زبان تھی۔ اگر اردو اور ہندی کو دو الگ الگ زبانیں شمار کریں تو یہ بات بالکل سچی ہے کہ ہندی کہیں کی بھی بول چال کی زبان نہیں ہے، اردو ہے۔ یہاں میرا مطلب کھڑ بولی ہندی سے ہے۔ برج بھاشا یا اودھی تو وہاں (قواعد) کے خیال سے ہندی اردو سے بہت دور ہیں۔ اسی لیے مولانا

عبدالحق نے ناگہور میں آپ سے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ اردو زبان میں ہندی کے الفاظ اور متبادرے جس کثرت سے ہیں خود ہندی زبان میں اس قدر نہیں ہیں۔ یہ بھی بالکل سچ ہے کہ آج کل کی ہندی زیادہ تر کتابی اور بلاوٹی زبان ہے۔ کچھ تو فرقہ وارانہ جذبہ اور زمانہ قدیم کی طرف جانے کی خواہش، کچھ ایک قومی زبان تعمیر کرنے کا خیال، اور کم سے کم شروع میں ایک حد درجہ تک حکام کے خود فرضانہ اشارے اور ان کی مدد، ان تمام چیزوں کے سہارے پچھلے تیس چالیس سال سے ملک میں رائیج کی جارہی ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو ایک زیادہ قدرتی اور زندہ زبان ہے۔ میں دونوں اس ملک کی پیدائش - رہا سوال دیا کرن (قواعد) کا - آج کل کی ہندی کو اپنا دیا کرن اور ڈھانچا ظاہر ہے، اردو ہی سے لہنا پڑا - اودھی یا برج بھاشا ایک آٹھ سو سال پہلے کی ہندی سے نہ تو اپنا دیا کرن لے سکتی ہے اور نہ وہ چل سکتا ہے، اس نے ایسا ہی کہا تھا - اس وقت اردو اور ہندی کا دیا کرن (قواعد) اور ڈھانچا ایک ہی ہے اور ایک ہی ہونا چاہیے اور اس سے کہی آئندہ ایک ہندوستانی زبان کے جنم کی امید ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندی کے کچھ ایسے ودوان (عالم) جو گہروں میں الہ آبادی، بنارس، اردھی وغیرہ بولتے ہیں، یعنی جن کی مادری زبان نہ ہندی ہے نہ اردو، کئی طوح سے ہمدی اس ہندوستانی زبان کے بلے بلانے دیا کرن کو خراب کر رہے ہیں مثلاً تذکیر و تانیث میں یہ لوگ اکثر سلسکرت لغت سے شہدوں کے تذکیر و تانیث کا پتہ لگا کر ہندی میں اسی طرح رائیج کرنے کی خلاف قدرت کوشش کرتے ہیں اور بھی کئی چیزیں ہیں - لیکن میں ان کی وضاحت میں آپ کا زیادہ وقت

نہیں لیتا چاہتا۔ یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہمدی زبان ایک اعلیٰ زندہ زبان ہے جو ہزاروں سال میں آہستہ آہستہ اس روپ تک آئی ہے اور آئندہ بھی بدلے گی۔ لیکن سنسکرت وہ نہیں ہے نہ اس کا دیا کرن سنسکرت ویا کرن ہے۔ سنسکرت میں تین وچن (صنفے) ہیں۔ ہندی میں دو سنسکرت میں ماتا اور پتا دونوں نے لیے ایک (کچھتی) سے کام چل جاتا ہے ہندی میں ہم دو علیحدہ علیحدہ فعل استعمال کرتے ہیں۔ وغیرہ۔

ہاں کچھ مصنف ہر زبان کے ایسے ضرور ہوتے ہیں جو دیا کرن کے قاعدوں سے بلڈھنا نہیں چاہتے۔ ان میں کچھ اعلیٰ مرتبے کے ہوتے ہیں جنہیں ایسا کرنے کا اختیار بھی دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہندی میں مرحوم بالکشن کرشن بہت۔ لیکن اگر یہ قصور ہے تو جہاں تک مجھے معلوم ہوتا ہے ہندی یا اردو کا کوئی قدیم یا حال کا ادیب اس معاملے میں شاید اتنا قصور وار نہیں ہے جتنا مرحوم بہت جی۔

اردو کے بہت سے ادیب اردو لفظوں کی فارسی عربی جمع کا استعمال ضرور کرتے ہیں۔ یہ رواج اتنا ہی غلط کہا جاسکتا ہے جتنا ہندی میں سبک روپیں لکھنا یا پاخانہ کی جگہ شوچالیہ لکھنا۔ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ اردو میں فی زمانہ کافی ادیب اس طرح کے ہیں جو اس رواج کی کھلی مخالفت کرتے ہیں لیکن پھر بھی دکھانوں کی جگہ وکلاء لکھنے سے ہمارا ویا کرن (قواعد) اتنا نہیں بدلتا جتنا وایو (ہوا) بہہ رہی ہے کئی جگہ وایو بہہ رہا ہے کہنے سے اس لیے کہونکہ سنسکرت میں وایو مذکر ہے۔

(۴) آپ نے لکھا ہے ”مولوی عبداللہ صاحب نے ہندی۔ ہندوستانی کے بجائے صرف ہندوستانی یا ہندی اردو کے پھر لوگ (استعمال) کا

پرستاؤ (لحاظ) رکھا تھا - مجھے تو ان دونوں میں کوئی اعتراض نہیں ہے - لیکن بھارتی ساتھ پریشد اپنے جنم (پیدائش) کو نہیں بھول سکتا... اسی لیے شدید (الفاظ) کا رکھنا ضرور ہو گیا -

اگر بھارتی ساتھ پریشد ہندی ساتھ سہیلن کا ایک بچہ ہے اور اسی طرح سے کام کرنا چاہیے تو آپ کی باقی بات تو ٹھیک ہے - پھر یہی غلطیست ہے کہ آپ کے اثر سے انہوں نے محض ”ہندی“ کی جگہ ہندی ہندوستانی رکھنا منظور کر لیا - اور اگر جس زبان میں وہ استعمال کریں وہ سچ ہندوستانیت کے کچھ نزدیک آوے تو خوش قسمتی کی بات ہوگی - لیکن مولانا عبدالحق کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غلط فہمی اس بارے میں ہوگئی جو اردو ادیب وہاں آئے تھے وہ غلط سمجھیں باندہ کر آئے تھے - میں بڑے سٹکوچ (جھجھک) کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ شاید انہیں دعوت دینے میں بھی بے احتیاطی ضرور ہوئی - ملک کی بڑی یہی خوش قسمتی ہوتی اگر آپ کی رہنمائی میں کوئی ایسی ہندوستانی ساتھ پریشد قائم ہو سکتی جو اپنے رسالوں اور کتابوں میں ہندوستانی زبان لکھنے کی کوشش کرتی اور جس کی چھڑیں ناگری اور فارسی دونوں حروف نکل کر ہندی اور اردو دونوں کے پڑھنے والوں کو آہستہ آہستہ ہندوستانی زبان کی طرف لائیں -

باپو جی! میں نے عبدالحق صاحب کے خط اور آپ کے لیکھے (مضمون) دونوں کو ملا کر پڑھا - جو شکوک اس خط سے پیدا ہوتے ہیں - آپ کے لیکھے (مضمون) سے وہ دفع نہیں ہوتے - میں آپ سے پرارتھنا (التجنا) کروں گا کہ آپ پھر ایک مرتبہ اس خط کو دیکھیں - اور اگر ہو سکے تو آپ بھی اس کے شبہوں کو دفع کریں - جس طرح سے انہوں نے واٹعات

کو بھان کیا ہے اُس میں غلطی ہو سکتی ہے۔ ان کی رائے بھی کم سے کم
میں تو ہر بات میں ماننے کو نہیں تیار ہوں۔ لیکن اس میں کوئی شک
نہیں کہ وہ خط دکھے ہوئے دل سے اور نیک نیتی کے ساتھ لکھا گیا ہے۔
ان کے شکوک دفع ہونے چاہئیں تھے۔ میں صرف ایک مثال دوں گا۔
اس خط کے مطابق آپ نے کہا تھا۔ ”اردو زبان مسلمانوں کی
مذہبی زبان ہے۔ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اور مسلمان
بادشاہوں نے اسے بنایا اور پھیلا۔ مسلمان چاہیں تو اسے رکھیں
اور پھیلانیں۔“

اگر دزولہوشن میں تنہا ہندوستانی کا لفظ رکھا گیا تو اس کا مطلب
اردو سمجھا گیا۔ مجھے معلوم ہے کہ کجرات کے مسلمان اردو کو اپنی
مذہبی زبان کہتے ہیں۔ میں یہ بھی اندازہ کر سکتا ہوں کہ جب سے
اردو ہندی کا یہ بدقسمت جھگڑا چلا دوسرے صوبوں میں اردو کے بہت
سے مسلمان مبلغ اردو کو اپنی مذہبی زبان کہہ کر اس کی تبلیغ کرتے
ہوں گے۔ یہ بھی ہماری بدقسمتی ہے کہ یہ خالص ادبی سوال فرقہ وارانہ
سوال بن گیا۔ لیکن ان باتوں سے واقعات نہیں بدل سکتے۔ اردو نہ
نہ مسلمانوں کی اور نہ کسی اور کی مذہبی زبان ہے، اور نہ کبھی تھی۔
وہ محض اس ملک کے لاکھوں دھلے والوں کے حق میں ہندو، مسلمان،
مہسائی اور چھن سب شامل ہیں۔ قدرتی اور مادری زبان ہے۔ اس
کو ترقی دینے میں ہندوؤں نے اتنا ہی حصہ لیا ہے جتنا مسلمانوں نے
اور آج تک بہت سے ہندوؤں کو اس پر ویسا ہی نظر ہے جیسا کہ مسلمان
کو ہو سکتا ہے۔ ہندی میں تو رامائن بھی ہے جسے کم سے کم شمالی ہند
کے لاکھوں ہندو اپنی ویسی ہی مذہبی کتاب مانتے ہیں جیسی کسی دوسری

کتاب کو - اردو میں تو مسلمانوں کی کوئی اس طرح کی کتاب بھی نہیں ہے - آپ کو شاید معلوم ہو کہ بہت سے کٹر مسلمان مولویوں کو قرآن کے اردو میں ترجمہ ہونے پر سخت اعتراض تھا اور کچھ کو آج تک ہے - آپ کو شاید یہ بھی معلوم ہو کہ شمالی ہند میں کم سے کم ہزاروں ہندو گھر ابھی تک ایسے ہیں جہاں دسہرے کے دن پوجا کے وقت پورپ کا بردا اور پچھم کا گھوڑا، اُتر کا تھر اور دکھن کا چھر، یا ان سے ملتے جلتے الفاظ کاغذ پر اردو حروف میں لکھ جاتے ہیں - اب اگر اس طرح کے لوگوں کو دھرم سے گرا ہوا کہہ کر علیحدہ کر دیا جائے یا مہلک تلک خھالی کے اثر میں ہم ان طریقوں کو بدلنے کی کوشش کریں تو دوسری بات ہے -

یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ اردو قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے - اگر ہم اردو کو قرآن کے حروف میں لکھنے کی کوشش بھی کریں تو معمولی حروف کی شکلیں تو کافی بدل ہی جاویں گی - ہمیں پڑوسی کو فروسی لکھنا پڑے گا - چاند کو چاند اور گائے کو گائے، یا غائے، کھانا کو کانا وغیرہ آج کل کے فارسی حروف جن میں ہندوستانی آوازوں کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ نئی علامتیں چور کر اردو لکھی جاتی ہے عربی حروف (خط نسخ) سے صدیوں پہلے کی ایجاد ہیں - دونوں میں تو مشابہت بھی ہے - لیکن مشابہت تو گجراتی، بلکلا اور ناگری حروف میں بھی کافی ہے - آوازیں تو بالکل وہی ہیں - اس کی بنا پر یہ کہنا تو شاید تھیک نہ ہوگا کہ گجراتی اور بلکالی دگ وید کے حروف میں لکھی جاتی ہیں -

یہ بات الگ ہی دہی کہ کسی خاص کتاب کے حروف میں لکھی

جانے کی وجہ سے بھی کوئی زبان کسی خاص جماعت کی زبان نہیں بن جاتی —

اوپر کے اقتباس کی باقی باتیں بھی اسی طرح حقیقت کے خلاف ہیں — اردو ادب سے واقف اور اس کے پڑھیوں میں خوش قسمتی یا بد قسمتی سے تھوڑے بہت ہلڈو تک بھی ہیں جنہیں اس بات پر قدرتی دکھ ہوتا ہے کہ اس اردو ہلڈی کے سو کو بھی خالص فرقہ وارانہ شکل دی جاوے۔ آپ کی طاقت اس بارے میں بہت ہے اور مہری عاجزانہ پرارتھنا (التجنا) ہے کہ آپ اس غلط میلان کو ہوسکے تو روکیں —

اس کے علاوہ شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ اردو کے مسلمان ادیبوں میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو دل سے آپ کے مقصد کی قدر کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق عمل کرنے کرائے کی بھی کوشش کرتے رہے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو اگرچہ اپنی اخلاقی کمزوری کے وقت یا کسی دوسری وجہ سے سیاسی تحریک میں مناسب حصہ نہیں لے سکتے تاہم اپنے مہدان میں قومی اتحاد کو قائم کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے میں جی جان سے کوشش کرتے رہے ہیں۔ اردو رسالوں میں ودوان (عالم) مسلمان مصنفوں کے لکھے اس مضمون کے برابر نکلتے دھتے ہیں کہ ہمیں اردو سے عربی اور فارسی کے غیر مانوس شبدوں (لفظوں) کو نکال کر ہلڈی کے عام فہم شبدوں کا استعمال کرنا چاہیے۔ ایک مسام اردو رسالہ کی زبان پر کسی کٹر مسلمان نے اعتراض کیا۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ ودوان (ذی علم) اڈیٹر نے جواب دیا ”میں حقاری اردو سے اپنے رسالے کو ناپاک نہیں کرنا چاہتا“ اس چیز پر عمل بھی جملی کامیابی کے ساتھ آج کل اردو رسالوں میں ہو رہا ہے کسی ہلڈی رسالے میں نہیں

ہو رہا ہے۔ لاہور کے رسالہ نیرنگ خہال سے میں نے اردو نظم و نثر دونوں کے کچھ نمونے اپنے دکن بھارت ہندی پرچار سبھا مدراس کے کانورکیش اتوریس میں نقل کئے تھے جنہیں آپ اگرچوں کاتوں ناگری حرفوں میں کسی ہندی رسالہ میں شایع کرا دیں تو کسی بھی پڑھنے والے کو یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ اردو سے لیے گئے ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مجھے شک ہے کہ کسی ہندی رسالے سے شاید کوئی ایک نمونہ بھی ایسا نہیں نکالا جاسکتا جسے اگرچوں کاتوں چھاپ دیں تو محض اردو پڑھنے والے اسے اردو پڑھ کر اردو ہی سمجھیں۔ آپ خود کسی وقت آئندہ کی ہندوستانی زبان کے لحاظ سے سنڈر (خوبصورت) ملی جلی زبان بولا کرتے تھے کہ جیسے سن کر اردو داں اور ہندی داں دونوں کا دل خوش ہو جاتا تھا، دونوں سمجھتے تھے۔ لیکن ناگپور کی جو آپ کی تقریر چوں کی توں دلی کے 'جامعہ' میں چھپی ہے وہ وہ چھڑ نہیں ہے۔

مولانا سلمان ندوی جیسے ودوان (ذی علم) جنہوں نے اپنی یوم اللہی کی چھپی ہوئی تقریر میں بجائے حضرت محمد کے سوامی محمد لکھا ہے، برسوں سے زردوں کے ساتھ کھلے طور پر کوشش کر رہے ہیں کہ ہمیں نہ صرف اردو کو سہل ہندوستانی بنانا چاہئے بلکہ اردو کی جگہ اسے ہندوستانی کہنا چاہئے۔ رسم الخط کا سوال علیحدہ ہے۔ ان قابل تعریف کوششوں کی کچھ جھلک آپ کو عبدالحق صاحب کے خط میں بھی مل سکتی ہے۔ یہ سب کافی حد تک آپ ہی کے پریم (محبت) اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا۔ مگر ناگپور سے اب تک نہ جانے کیا ہوا بہت سے اس طرح کے سچے اور سنجیدہ مسلمان کام کرنے والوں کے دل بھی شکوک اور مایوسی سے

تکڑے تکڑے ہو رہے ہیں جو اپنے دکھ کو اپنی زبان تک بھی لانا نہیں چاہتے —
 خط بلد کرنے سے پہلے رسم الخط کی بابت بھی اپنا خیال آپ کے
 سامنے رکھ دوں - بہت دنوں سے لوگ دوسم رسم الخط کے حق میں ہیں
 مثلاً بابور امانت چتر جی وغیرہ —

میں سنہ ۳۶ ع کے شروع تک اس کے خلاف رہا - لیکن اب کچھ
 دے بدلے جارہی ہے - دلیلوں میں آپ کا وقت ضائع نہ کروں گا —
 آپ کا خادم

سلندر لال

چوک ۵۶

الہ آباد

۲۴ - ۹ - ۳۶

ہندی کا پرزور پروپاگنڈا

گزشتہ ماہ اکتوبر میں فہر ہندی صوبوں میں ہندی زبان کی اشاعت کے لیے ایک بہت بڑا جلسہ یونہورسٹی کانوکشن ہال ناگپور میں زیر صدارت سر ہری سنگھ گور وائس چانسلر ناگپور یونہورسٹی کیا گیا —

بابو راجندر پرشاد صدر آل انڈیا ہندی پرچار سٹی نے منسلک ذیل تقریر فرمائی —

” ۱۸ سال سے زائد ہوتے ہیں کہ ہندی سائنس میں سہیلن نے اندر کے اجلاس میں زیر صدارت مہاتما گاندھی یہ قرارداد منظور کی تھی کہ فہر ہندی داں صوبوں میں ہندی زبان کی اشاعت کا کام کیا جائے۔ چنانچہ احاطہ مدراس میں یہ کام شروع کیا گیا۔ ابتدا میں سہیلن نے اس کے تمام اخراجات کی کفالت کی اور اس کام کے لیے شمالی ہند سے بہت سے نوجوان چلربی ہند میں بھیجے گئے۔ اس اثنا میں چلربی ہند کے کچھ پر جوش صاحبوں نے ہندی سیکھ لی اور اس کام میں شریک ہو گئے —

کچھ عرصے بعد یہ مناسب سمجھا گیا کہ یہ کام مقامی اصحاب ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ ایک مجلس تشکیل بھارت پر چار سبھا کے نام سے مدراس میں قائم کی گئی۔ اور اس کے مبالغوں نے تمام احاطہ مدراس نیز اس کے علاوہ بھی ان علاقوں

کا دورہ کیا جہاں جنوب کی چاروں زبانوں یعنی تلنگی، تامل، کانتی، ملایا آلم میں سے کوئی بھی زبان بولی جاتی تھی۔ درسی کتابوں لکھی گئیں اور شایع کی گئیں اور ہندی کے امتحانات مقرر کیے گئے۔ ایک مطبع قائم کیا گیا جس میں ریڈریں، صرف و نحو اور لغت کی کتابیں اور ایک ماہانہ رسالہ ہندی سیکھنے والوں کے لئے شایع کیا جانے لگا۔ یونیورسٹیوں، مقامی اداروں اور افسران تعلیمات کو اس امر کی ترغیب دینے کی کوشش کی گئی کہ وہ اپنے اپنے نصابوں میں ہندی کو داخل کریں *۔

تکشا بھارت ہندی پر چار سبھا کی اس سعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ اس عرصے میں ۶ لاکھ اشخاص کو ہندی سکھانے میں کامیاب ہوئی جن میں سے ۵۵ ہزار نے امتحان میں بھگتہ کو قابلیت کا صداقت نامہ حاصل کیا۔ اس سبھانے گیارہ لاکھ سے زائد کتابیں چھاپیں اور فروخت کیں۔ یہ بات بہت قابل مسرت ہے کہ مردوں سے زیادہ عورتوں کو ہندی پوچھنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ اور صرف لڑکوں اور لڑکیوں ہی میں یہ شوق پیدا نہیں ہوا بلکہ بڑی عمر کے مرد اور عورتیں بھی ہندی زبان پڑھنے شوق اور انہماک سے سیکھ رہی ہیں۔ اس تمام عرصے میں سات لاکھ روپیہ خرچ ہوا اس رقم کا ۱۵ فی صدی حصہ اسی صوبے (مدراس) سے فراہم کیا گیا۔

جب ایسے صوبوں میں جہاں ہندی اور مقامی زبانوں میں شدید اختلاف ہے اور مشکلات کا سمندر ہے، یہ کامیابی دیکھی گئی تو

* اس کوشش کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مدراس گورنمنٹ نے اسکول لیونگ سرٹیفکیٹ کے امتحان میں ہندی زبان کو بھی داخل کر لیا (ایڈیٹر)۔

ساتھ سمٹنے کے اجلاس ناگپور (اپریل سنہ ۱۹۳۶ ع) میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہندی کی اشاعت کے کام کو دوسرے بھر ہندی زبان صوبوں میں پھیلا دیا جائے۔ یہ علاقے مہاراشٹر، گجرات، سندھ، بلکال، آسام اور اُتکل ہیں۔ علاوہ ان کے ہندوستان کے اصلی باشندوں کی ایک بڑی آبادی ہے جو مختلف صوبوں میں پھیلی ہوئی ہے اور زیادہ تر سنگھال پرگنہ اور چھوٹا ناگپور اور صوبہ بہار میں ہے۔ یہ لوگ مختلف زبانیں بولتے ہیں مگر ان میں ہندی کا رائج کرنا ضروری ہے۔ اس غرض کے لئے سمٹنے نے ایک خاص کمیٹی قائم کی ہے جس کا دفتر وردھا میں ہے اور وہ ان صوبوں میں اس مقصد کے لئے مجلسیں قائم کر رہی ہے اور جہاں پہلے سے قائم ہیں انہیں مضبوط بنا رہی ہے۔ مسٹر ستیا نرائن جو آندھرا دیس کے رہنے والے ہیں اور جنہیں دکنشا بھارت ہندی پرچار سبھا میں رہ کر اس کام کا خاص تجربہ حاصل ہے، اس کے سکریٹری اور مسٹر شریمان نرائن اگروال ایم۔ اے۔ جائلٹ سکریٹری مقرر کیے گئے ہیں۔ اب گزشتہ تجربہ سے فائدہ اٹھا کر اس کام کی تفہیم جہاں تک ممکن ہوگا بڑی خوبی اور مستعدی سے کی جائے گی۔

البتہ اس موقع پر دو ایک باتوں کا صاف کر دینا ضروری ہے۔ ہندی پرچار کا مرکز یہ مقصد نہیں ہے کہ ہندی زبان کو مقامی زبانوں کی بجائے اختیار کیا جائے یا ان زبانوں کے مقابلے میں اسے کھوا کیا جائے۔ یا مقامی زبانوں کو گھٹایا جائے۔ صوبہ جاتی زبانوں کو وراثت میں اپنا ہوا ادب پہنچا ہے اور ان کی لغات مالا مال ہیں۔ ہندی اُن کی جگہ نہیں لے سکتی اور نہ ہمارا یہ منشا ہے۔ ہندی پرچار کا مقصد یہ ہے کہ تمام صوبوں کے لئے باہمی کاروبار کے واسطے ایک زبان مہیا کی

جائے اور مختلف صوبوں کے باشندوں کے لئے یہ آسانی پیدا کر دی جائے کہ وہ بغیر غیر ملکی زبان کی مدد کے باہم تبادلۂ خیالات کر سکیں۔ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ قومیت کے اُن رشتوں کو مضبوط کر کے اور باہم جوڑنے کے لئے جو اس ملک میں مختلف طریقوں سے بدلائے جا رہے ہیں ایک ایسی مشترک زبان کا ہونا لازم ہے۔ ایک غیر زبان سے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی قوم کے عزیز خیالات و جذبات کو صحیح طور پر ادا کر سکے اور ہماری تہذیب اور تمدن کا یہ تقاضا ہے کہ ہماری ایک ایسی زبان ہو جو نہ صرف کسی فرقے یا کسی صوبہ کے لئے کارآمد ہو بلکہ بحیثیت مجموعی سارے ملک کے کام آئے۔ اس قرض کے لئے ہندی زبان سب سے زیادہ موزوں تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد (مقامی اختلافات کے ساتھ جو ناقابل التفات ہیں) چودہ یا پندرہ کروڑ سے کم نہیں اور اس سے زیادہ تعداد سمجھنے والوں کی ہے۔ یہ بڑھتی ہوئی زبان ہے اور سنسکرت عربی فارسی اور صوبائی زبانوں سے الفاظ کا ذخیرہ حاصل کرتی ہے۔

اس زبان کا ملک میں پھیلنا زیادہ آسان ہے کیونکہ ہندوستان کی کسی دوسری زبان نے مقابلے میں جو قومی زبان کے طور پر انتصاب کی جائے گی، اس کے سیکھنے والوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ جس جوش اور استعداد کے ساتھ جنوبی ہند والوں نے اسے بحیثیت قومی زبان کے قبول کیا ہے اُس سے امید بلند ہوتی ہے کہ اگر دوسرے صوبوں میں بھی کوشش کی گئی تو اسے ہی نتیجے ظہور میں آئیں گے۔

ہندی پرچار سمعی دوسرے صوبوں میں بھی شاخیں قائم کرنے والی اور ہندی سکھانے کے لئے جماعتیں کھولنے والی ہے نیز دوسری ضروری

کردار اٹھان بھی کرنے والی ہے - مثلاً کتب نصاب کا تیار کرنا ، ایسے شخصوں کو وظائف دینا جو ہندی سیکھنے کے بعد اس کی اشاعت کا کام کرنے وعدہ کریں وغیرہ وغیرہ —

اس کام کے لئے نہ صرف ایسے پر جوش کام کرنے والوں کی ضرورت ہے جو اپنے آپ کو بالکل اس کے لئے وقف کر دیں بلکہ اس کے انجام دینے کے لئے رویہ کی بھی ضرورت ہوگی - لیکن سب سے بڑا کر اُن لوگوں میں جن میں سستی کام کر رہی ہے اس امر کا پوری طرح ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہمارا قومی تعمیر کا کام اُس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک کوئی ایسی زبان نہ ہوگی جو تمام ملک میں سمجھی جائے اور صوبوں کے معاملات اور اداروں کو چھوڑ کر ہر قومی کام میں استعمال نہ کی جائے —

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب ہم ہندی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ محدود معنوں میں استعمال نہیں کرتے اور نہ ہندوستانی سے امتیاز کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں - اور ہندی اور ہندوستانی کے کسی فرضی یا حقیقی اختلاف کی بنا پر مخالفت پیدا کرنا غلطی ہوگی —

اس کی کامل توقع کی جاتی ہے کہ اب چونکہ ”ہندی ہندوستانی“ عام طور پر ایک ایسی زبان تسلیم کر لی گئی ہے جو صرف وہی قومی زبان بن سکتی ہے تو لوگوں کو ایک مشترکہ قومی زبان کی آواز کرنی چاہیے اور سستی کی ہر طرح سدھ کرنی چاہیے - پر جوش کام کرنے والوں کو اشاعت کا کام کرنا چاہیے اور دولت مند اور خوش حال لوگوں کو رویہ مہیا کرنا چاہیے اور مردوں اور عورتوں اور بڑھوں اور

جوانوں کو اس کے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ میں یہ پوری طرح سمجھتا ہوں چاہیے۔ اور ذہن نشون کر لیتا چاہیے کہ ہم غیر زبان میں آزادی کے ساتھ بحث نہیں کر سکتے اور ہندوستان کی خود داری اس امر کی منتظر ہے کہ ہمارے ملک کے لیے اپنی قومی زبان ہو۔ —

اچاریا کا صاحب کالنگر نے بہت تفصیل کے ساتھ ہندی کی اشاعت کی اہمیت اور افادہ پر گفتگو کی اور حاضرین کو بہت زور سے تاکید کی کہ اس تحریک کی ہر ممکن ذریعہ سے مدد کریں۔ (ہندوستان ٹائمز)

ہندوستانی اکیڈمی کا سالانہ جلسہ بابت سنہ ۱۹۳۶ ع بہمقام لکھنؤ
 اوائل سنہ ۳۶ ع میں صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودہ کی حکومت نے اپنے پایہ تخت لکھنؤ میں ایک صنعتی و زرعی نمائش نہایت اعلیٰ پیمانہ پر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ تمام انتظامات کی تکمیل کے بعد گذشتہ ۴ دسمبر کو نمائش مذکور کا افتتاح عمل میں آیا جس میں محض اس خیال کے مدنظر کہ عوام زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں ان کی دلچسپی کے لیے مختلف قسم کے سامان تفریح مہیا کئے گئے تھے اور غالباً ۱۱ سال الہ آباد چھوڑ کر ہندوستانی اکیڈمی کی سالانہ کانفرنس لکھنؤ میں کرنے سے یہ مقصد تھا کہ نمائش کے بہانے مختلف مقامات کے علم دوست حضرات اس میں آسانی سے شریک ہو جائیں گے۔
 پھر سنہ ۱۹۳۷ ع کی آمد آمد کے ساتھ دعوت نامے جاری ہو گئے اور جیسا کہ خود اس علمی ادارہ کے نام نامی یعنی ہندوستانی اکیڈمی میں لفظ ہندوستانی کے پہلو میں اکیڈمی کی موجودگی سے عیاں ہے وہ سب بجائے ہندوستانی کے انگریزی میں طبع کرائے گئے تھے۔ —

کتیلے انسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ اس ادارہ کے معتمد صدر و معتمد جو اول تو خود ہندوستانی ہیں دوسرے جنہوں نے ہندوستان ہی کی آب و ہوا میں نشو و نما پائی ہے تیسرے جو ہندوستانی زبان سے بظہری واقف ہیں اور اُس کو نہایت سلیقے سے استعمال کر سکتے ہیں اور چوتھے سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جو ہندوستان میں ایک واحد قومی زبان کی ترویج کے لئے بڑی بڑی کوششیں کر رہے ہوں اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے تمام کاروائی کی انتظام دہی کے لئے ایک غور ملکی زبان کا ملہ دیکھیں —

بھر کیف کانفرنس کا اجلاس جناب ڈاکٹر رائے راجہ شوروہلی صاحب کی صدارت میں ۲۱ جلوری بروز شنبہ سارے گیارہ بجے کانفرنس پلڈال میں جو نمائش گاہ کے گول دروازے والے باب الداخلہ کے بائیں جانب تقریباً دو سو قدم کے فاصلے پر تھا منعقد ہوا اور حاضرین کی تعداد باوجود اس امر کے کہ جلسہ کا انعقاد اُردو ادب کے ایک اہم مرکز کی نمائش گاہ میں ہو رہا تھا و نہی داخلہ پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ تھی ۲۰۰ اصحاب سے زیادہ نہ تھی —

جلسہ کی کاروائی کا آغاز رائٹ انریبل سر تھیم بہادر سپرد کی ایک مختصر فاضلانہ تقریر سے ہوا جس میں ابتداءً انہوں نے اس نقصان معظم پر اپنے جذبات رنج و اہم کا اظہار کیا جو اردو زبان و ادب کو اصغر جیسے نامور شاعر اور پریم چند جیسے ممتاز فسانہ نگار کے انتقال سے پہنچا ہے اور حاضرین نے بھی کھڑے ہو کر ان مشہور و ممتاز ہستہوں کے ورناء اور پس ماندگان کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا —

میں بعد فاصلہ معرو نے کانفرنس کے موجودہ اجلاس کے منتظب صدر ڈاکٹر

وٹنے راجہ شوبرہلی صاحب کا حاضریں سے تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ
 ہندوستانی اکادمی کا قیام ڈاکٹر صاحب موصوف کے عہد وزارت میں
 ہوا تھا و نیز ڈاکٹر صاحب اس کے بانی مہمانی تھے دوران تقریر میں
 سر سپروٹے یہ بتلاتے ہوئے کہ ادارہ مذکور کو بعض ایسی کتابیں شائع کرنے
 کا خطر حاصل ہے جن سے اہل ملک کی علمی ضروریات پوری ہوئیں اس
 امر پر بھی نہایت زور دیا کہ ہندوستان کے مدارس میں ذریعہ تعلیم
 مادری زبان ہونا چاہیے اور اپنے اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا
 کہ ان کا یہ مدعا ہرگز نہیں کہ غیر ملکی زبانوں کی کامل مخالفت کی
 جائے بلکہ اس خیال کے پیش نظر کہ غیر زبان میں سوچنے اور اظہار
 خیال کا مادہ بہت مشکل سے پیدا ہوتا ہے نیز اس کے اکتساب میں
 ہزار کوششوں کے باوجود زبان پر کامل قدرت حاصل نہیں ہو سکتی
 (Count keyserling) کوئٹہ کیزرلنگ کی اس نصیحت کے مطابق ”خواہ
 تم اپنی ہر ایک شے کو فراموش کر دو مگر اپنی زبان کو ہرگز نہ بھولنا“
 جو انہوں نے جاپانی طلبہ کو دی تھی اس بیان سے محض اپنی زبان کے
 تحفظ اور بقا کی ضرورت اور اہمیت جتلاتا مقصود ہے انہوں نے ملک
 کے لیے ایک واحد قوی زبان کی تشکیل کی بھی ضرورت ظاہر کرتے ہوئے
 اردو اور ہندی کے ان انہا پرودازوں کی کوششوں کو جو اردو کو محض
 فارسی اور ہندی کو خالص سنسکرت بلانا چاہتے ہیں ناقابل تحسین قرار
 دیتے ہوئے بتلایا کہ جو نئی زبان خصوصاً پنجاب میں اردو کے نام سے
 فروغ پا رہی ہے اس کے ۸۷ فیصد الفاظ عام پڑھ لکھے مسلمان اور جو نئی زبان
 صوبہ ممالک متحدہ میں ہندی کے پردے میں ترقی کے منازل طے کر رہی
 ہے اس کے ۸۹ فیصد الفاظ عام خواندہ ہندو سمجھنے سے قاصر ہیں

دورانِ تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مولوی عبدالحق صاحب میرے سامنے بیٹھے ہیں ورنہ میں کچھ کہل کے کہتا لیکن اس قدر ضرور کہتا ہوں کہ وہ اردو جو میں بچپن سے سنتا بولتا آیا ہوں وہ رسالہ اردو کی ہے۔ آخر میں انہوں نے ڈاکٹر راجیشوریلی صاحب سے کرسیِ صدارت قبول فرمانے کی درخواست کی اور پلذت سکھ دیو بہاری مصرا و فہرہم کی ٹائید کے بعد ڈاکٹر صاحب تالیوں کی گونج میں کرسیِ صدارت پر متمکن ہوئے۔

تھیک ۱۲ بجے درپہر صاحب صدر نے اپنا خطبہ انگریزی میں ارشاد فرمایا۔ اس خطبے میں ہندوستانی اکیڈمی کی زندگی کے متعلق چند امور پر روشنی ڈالتے ہوئے مثلاً یہ کہ ہندوستانی اکیڈمی کا قیام جس کا سنگِ بنیاد سرولہم مہرس گورنر صوبہٴ ممالک متحدہ کے ہاتھ سے ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء کو رکھا گیا تھا اور جس میں خود ان کی کوشش کا بھی حصہ تھا ادارے کے مقصد کی توضیح کرتے ہوئے کہ یہ کسی نئی زبان کی تشکیل کے لیے قائم نہیں کیا گیا بلکہ اس کی فہمیت اصلی ایک مشترک پہلیت فارم سے اردو اور ہندی دونوں زبانوں کی بالکل جداگانہ حیثیتوں سے حفاظت کرنا اور ان کو ترقی دینا ہے زیادہ تر اس تنازعِ فہم مسئلہ سے کہ ہندوستان کی ملکی اور قومی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک واحد مشترک زبان جس کی اساس سادہ اور آسان پر رکھی گئی ہو بحث کی گئی تھی چنانچہ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ اردو اور ہندی میں دو ایسی زبانیں ہیں جن میں ہندوستان کی قومی زبان بننے کی دیگر تمام ملکی زبانوں سے کہیں زیادہ صلاحیت موجود ہے وینز اس امر کا اعادہ کرتے ہوئے کہ ہر دو زبان اپنے سرمایۂ الفاظ اور قواعد زبان

کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں خطبہ میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے لیے دو سن رسم الخط اختیار کرنے اور ان کے مشترک الفاظ کی ایک لغت ترتیب دینے نہز ان کو سادہ اور عام فہم عبارت میں تحریر کرنے سے یہ زبانیں روز بروز قریب سے قریب تر آکر ایک ایسی نئی زبان کی تشکیل کا موجب ہوں گی جو ہندوستان کی واحد قومی زبان کہلائے جانے کی مستحق ہوگی —

لیکن اکثر حضرات اس الجھنے ہوئے بیان کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے کہ اپنے خطبہ کی ابتداء میں نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر غالباً اس لیے کہ اردو اور ہندی دونوں کے حامیوں کی ہمدردی حاصل ہو جائے اس ادارہ کے قیام کا مقصد بیان کرتے ہوئے صاحب صدر نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ ادارہ اردو اور ہندی دونوں زبانوں کی بالکل جدا گانہ حیثیتوں سے نشوونما میں کوشاں رہے گا اور اس کا مطمح نظر کسی نئی زبان کی تشکیل ہرگز نہیں لیکن وہی صاحب صدر جو صاف اور صریح الفاظ میں ان اصطلاح کی عنان توجہ کو جو یہی سمجھتے ہیں انجمن کے قواعد و ضوابط اور مختلف کتب کی طرف جو اس ادارہ میں شائع ہوئی ہیں متعلق کر کے اس غلط فہمی کے ازالہ میں مصروف تھے اپنے خطبہ کے آخری حصے میں ایک نئی زبان کی تشکیل پر آمادہ نظر آتے ہیں اور اپنے اس مقصد کو دہی زبان میں بیان کرتے ہوئے اکتفا نہیں کرتے بلکہ بھانگ دھل یہ اعلان فرماتے ہیں کہ ملک کو ایک مشترک قومی زبان کی شدید ضرورت ہے ظاہر ہے کہ صاحب موصوف کی یہ کوشش ایک پلہٹ فارم سے جو دونوں زبانوں کے تلفظ کا ضامن ہو کہاں تک واجب اور پھر ان تدبیروں سے جو اصول مدعا کے لیے سوچی گئی

ہیں پہلی تدبیر یعنی دوسرے رسم الخط کو اختیار کرنے کی تجویز سے قطع نظر کر کے بقیہ دونوں تجاویز یعنی اردو اور ہندی کے مشترک الفاظ کی لغت تیار کرنے اور ان کے طرز تحریر میں سادگی کی پابندی کر دینے سے کہاں تک بار آور ہو سکتی ہے کیونکہ طرز تحریر انسان کی فطرت کا آئینہ ہے اور ہم ہرگز کسی ادیب یا انشا پرداز کو محض سادہ عبارت لکھنے پر مجبور نہیں کر سکتے اور جب طرز تحریر پر کسی قسم کی پابندی عاید نہیں کی جاسکتی تو پھر اردو ہندی کے مشترک الفاظ کی لغت تیار کرنے سے بھی کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ دونوں زبانوں کے اہل نظم اپنی اپنی زبانوں کے سرچشموں سے اپنی اپنی پسند کے مطابق الفاظ کا انتصاب کرنے کے لیے آزاد رہیں گے۔

بہر حال خطبہ زیر بحث کو اس پہچہدہ بیان سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اس میں ان زبان کی ترقی کے لیے جن کی حمایت اکیڈمی اپنا فرض سمجھتی ہے بعض نہایت عمدہ تجاویز درج ہیں مثلاً سب سے پہلے عوام کو کتابوں کے انتصاب میں مدد دینے کی غرض سے انگریزی کے مشہور سلسلہ ادبیات (World Classics) کے اتباع میں مختلف زبانوں کے شاہکاروں کے تراجم کے سستی ایڈیشن نکالنا۔ دوسرے عوام کا مذاق اور کتابوں کا معیار بلند کرنے کے لیے اور اس لیے کہ وہ فصول اور لغو کتابیں خرید کر اپنا روپیہ اور وقت ضائع نہ کریں سال بہ سال اردو اور ہندی کی قابل لحاظ کتب کی ایک انتظامی فہرست شائع کرنا۔ تیسرے دیہی آبادی کے مطلب کی۔ بعض کتب ایسی زبان میں جو وہ آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں طبع کرانا۔ چوتھے حکومت سے ایک ایسا قانون بنانے کی درخواست کرنا جس کی رو سے ہر مطبع کو ان کتابوں کی جو وہاں طبع ہوں ایک ایک جلد اکیڈمی کو بھیجنا لازمی کر دیا جائے اور اس طرح کتب خانہ کو وضع کرنا اور پانچویں ان

تمام کاموں کی جو انجمن نے اپنی اس سالہ زندگی میں انجام دیے ہیں مشہور کرنے کی فرض ہے نہیں بلکہ عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے رپورٹ مرتب کر کے طبع کرنا۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کی خاطر خود صاحب صدر نے انجمن کی وہ سالہ زندگی پر ایک سروسى نظر ڈالتے ہوئے خود بھی یہ بیان کر دیا کہ اس ادارہ نے اب تک تقریباً پچاس کتابیں شائع کی ہیں اور اس کے دو رسالے بھی جو ہندوستانی کے نام سے موسوم ہیں دونوں زبانوں میں برابر نکل رہے ہیں اس ادارے کے بہترین مضامین اور ادبی شاہکاروں کے لئے انعامات دینے کا بھی سلسلہ جاری کیا تھا مگر چونکہ اقتصادی مشکلات کی وجہ سے ترک کرنا پڑا اور اسی وجہ سے ادارہ مذکور ایک نہایت ضروری کام انجام دہی یعنی صنعت و حرثت تجارت کی تمام اصلاحات کو مرتب کرنے سے قاصر رہا۔

تقریباً سارے بارے بعد صدر کا مذکورہ بالا خطبہ ختم ہوا اور پادشہ شہام بہاری مصری منگھب صدر شعبہ ہندی کی عدم موجودگی میں ان کے چھوٹے بھائی پلڈت سکھ دیو بہاری مصری نے ان کے خطبے کو پڑھ کر سنا اور اس فریضہ کو نہایت تیزی سے انجام دینا شروع کیا لیکن جب وہ حاضرین کے ایک دو مرتبہ اس طرف دھیان دلائے پر کچھ دھیمے بھی پڑ گئے تو بھی کچھ تو اس وجہ سے کہ صاحب موصوف کی آواز آلا آواز رساں میں پھنس کر رہ جاتی تھی لیکن زیادہ تر اس باعث کہ خطبہ سلسلہ کے الفاظ سے اس قدر سلبو تھا کہ تقریباً ۹۰ فیصد اصحاب اس کے سنبھلنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ تقریباً ۸۰ فیصد اصحاب کو پلڈال چھوڑ کر باہر چلے گئے اور باقی ماندہ اصحاب اونگھتے یا خوش گہنوں میں مصروف تھے۔ خیر خدا خدا کر کے یہ خطبہ اختتام کو پہنچا اور حاضرین کی ہدم

موجودگی کا خود یقین جی کے دل پر گہرا اثر پڑا۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی صدر منتخب شعبہ اردو و ہجے کے قریب اپنا خطبہ سنائے کے لئے کھڑے ہوئے جس کو اگر ہم لکھنؤ کی خدمات ادب اردو پر ایک مبسوط مضمون کہیں تو بھجنا نہ ہوگا چنانچہ اردو کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مولانا نے اعتراف کیا کہ اردو نے جو پنجاب میں پیدا ہوئی، دکن میں نشو و نما پائی دہلی میں پروان چڑھی اور تعلیم و سلیقہ لکھنؤ میں سیکھا۔ اس کے بعد 'انہس'، 'دبیر'، 'ناسخ'، 'جلال'، 'امیر' وغیرہ نے جو اردو زبان کی خدمات انجام دی ہیں ان کو بیان کرتے ہوئے مولانا نے بتلایا کہ شاہی عہد میں لکھنؤ میں نہ صرف ایک دارالترجمہ قائم تھا جس میں 'زخمی'، 'فلسفی'، 'محمّد اسماعیل لدنی' اور 'محمد حسین لدنی' نے وضع اصطلاحات کا بیشتر کام انجام دیا بلکہ ایک مطبع سلطانی تھا یورپین زبانوں کے ۵۹ سالہ جات کے تراجم شایع کئے۔ اپنے خطبے کے تیسرے حصے میں اردو کی ترقی کے لئے چلند تجاویز بھی پیش کی تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ زبان مذکور کو سلسکرت اور عربی اثر سے بالکل آزاد کر کے اور تلفظ میں ہندستانی لہجہ کا خیال کرتے ہوئے املے میں لہجہ مذکور کا اتباع کر کے تصویر و تصویر میں ثقل اور نامانوس الفاظ سے اجتناب کیا جائے۔ مولانا نے اپنے خطبے کے بعض حصے مختلف مقامات سے پڑھ کر سنائے۔ طویل ہونے کی وجہ سے پورا نہ پڑھ سکے۔

دہرہ ہجے ڈاکٹر تارا چند معتمد ادارہ ہڈانے اپنا مضمون سنانا شروع کیا اور اگرچہ یہ عام خیال تھا کہ یہ مضمون غالباً ان تمام کاموں کی انجمن نے سالی گذشتہ انجام دیے ہیں۔ ایک تفصیلی رپورٹ ہوگی مگر یہ خیال قطعاً ثابت

ہوا جب معتمد صاحب نے بھی اپنے پیش دروں کی آواز میں آواز مل کر وہی راگ الاپنا شروع کیا کہ ملک کے لئے ایک قوی زبان کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اردو اور ہندی کی آمیزش سے ایک نئی زبان بنائی جائے اور ان کا مضمون یقیناً اس ہندوستانی کا جو ان کے پیش نظر تھی غالباً نہایت عمدہ نمونہ تھا چنانچہ قابل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اس امر کا التزام کیا تھا کہ اگر ایک جملہ فارسی الفاظ اور فارسی تراکیب کا گراں بار احسان ہو تو سنسکرت کے سرچشمے سے سہراب کھا گیا ہو۔ عجیب مضحکہ خیز منظر تھا چنانچہ جب معتمد صاحب کا مضمون ختم ہوجانے کے بعد جلسہ برخاست ہوا تو پلذت کشن پرشاد کول اور دیگر حضرات ڈاکٹر تارا چند صاحب سے یہ دریافت کرتے ہوئے سنے گئے کہ جذب والا آخر یہ مضمون کون سی زبان میں لکھا گیا تھا آیا ارا چندی میں یا گنگا جملی میں اور اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف مسکرا کر خاموش ہوجاتے تھے۔

۳ بجے سہ پہر کانفرنس پلڈال ہی میں جناب ڈاکٹر رائے راجیشور بلی صاحب کی زیر صدارت کانفرنس کے اردو اور ہندی شعبوں کا مشترک اجلاس شروع ہوا اس وقت حاضرین کی تعداد گھٹ کر تقریباً تین چوتھائی رہ گئی تھی۔

گورائی کے آغاز میں پلذت سکھ دیو بہاری مصراے جو صبح کے ناخوشگوار منظر سے ایک حد تک متاثر نظر آتے تھے ایک مختصر تقریر کی جو صبح کے لکھے ہوئے خطبہ کی صحیح معلوم میں ضد تھی یعنی اس تقریر میں فاضل مقرر نے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہوئے ہر مذہب و ملت و مقامات دور و نزدیک کی تفریق و امتیاز کے بغیر ہر گروہ، ہر صوبہ، اور ہر طبقے کے حضرات کو ہندوستانی میں ایک مشترک قومی

زبان کے لئے دوش بدوہی کام کرنے اور اُس کی ترقی کے لئے تمام محنت اور دقتوں کو برداشت کرنے کے لئے زور دیتے ہوئے اس امر کی توضیح کی کہ اگر اُردو اور ہندی کو انہی راستوں پر گامزن ہونے دیا جائے گا جس پر وہ آج کل چل رہی ہیں تو بلا مبالغہ ایک زبہ صدی میں ہندی بولنے والے حضرات اُردو بولنے والوں کا مطلب اور اُردو بولنے والے اصحاب ہندی بولنے والوں کا مدعا بالکل نہ سمجھ سکیں گے لیکن جہاں کہ ان کے صہم کے کردار سے ظاہر تھا اس تقریر میں اخلاص کی بو بہت کم پائی جاتی تھی۔

ناطق لکھنؤی نے پلڈت جی کے خیال کی تائید کرتے ہوئے زیادہ تر اس امر پر زور دیا کہ ہندی اور اُردو کو ادبی حیثیتوں سے علیحدہ قرار دیتے ہوئے باہمی محبت اور یگانگت کے ذریعے ایک مشترک بولی کی تشکیل کا خیال زیادہ قابل قبول ہے من بعد دو اصحاب نے اپنی تقریروں کے دوران میں اس مقصد کے حصول کے لئے ثانوی مدارس میں اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کی تعلیم کو لازمی قرار دینے اور دو من درسم الخط کو اختیار کرنے کی تجویزیں پیش کیں۔

مگر پلڈت کشن پرشاد صاحب کو ل نے جوان کے بعد قانس پر تشریف لائے اپنی ایک نہایت برجستہ تقریر میں یہ واضح کر دیا کہ جب تک ہماری سہمی میں اخلاص کامل کو دخل نہ ہوگا محض لسانی کے بل بوتے پر مقصد کا حصول ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے ظاہر و باطن کی باہمی مخالفت کی زندہ مثالیں دہلی ڈاکٹر بلی کے انگریزی خطبہ ڈاکٹر تارا چند کی تارا چلدی اور پلڈت شہام بہاری مصری کی ہندی نما سنسکرت کو حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ بتلایا کہ آج کل اُردو

اور ہندی نے ایک مذہبی اور سیاسی مسئلہ کی شکل اختیار کر لی ہے اس لیے اس قسم کی تمام کوششیں محض بے سود ہیں۔ ان کی رائے وہی ہے جو پچھلے سال اپنے مضمون میں ظاہر کر چکے تھے کہ ان دونوں زبانوں کا ملکا ممکن نہیں دونوں کو اپنے اپنے رستے ملتے دینا چاہیے۔

آخر کار بہت گرما گرم بحث کے بعد جس میں یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا کہ نصاب تعلیم ویسے ہی طالب علموں کے لیے بارگراں ثابت ہو رہا ہے اس لیے اس میں ایک اور مضمون کا اضافہ کہاں کی دانائی ہے ذیل کی تجویز حاضرین کے سامنے پیش کی گئی یہ کانفرنس اول تو اردو اور ہندی کے اہل قلم حضرات سے درخواست کرتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنا کلام سادہ اور آسان عبارت میں لکھیں دوسرے اردو اور ہندی کے لیے مشترک اصطلاحات کے وضع کرنے کی کوشش کی جائے اور دوسرے حکومت سے اس امر کی اپیل کرتی ہے کہ ہائی اسکول تک کے طلبہ کے لیے اردو اور ہندی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ الغرض قیوہ گھلتے کی بحث و تمحیص کے بعد جس میں مصیبت کے چھہلٹے برابر آتے رہے تجویز کا پہلا اور دوسرا اپنی اصلی شکل میں منظور ہو گیا اور دوسرا حصہ بالکل حذف کر دیا گیا۔

اس تجویز کے منظور ہونے کے بعد مضمون نگار حضرات کی باری آئی چنانچہ جن صاحب نے سب سے پہلے اپنا مضمون سنانا شروع کیا ان کا مقصد حاضرین کو ایک ہندی شاعر سے روشناس کرانا تھا۔ اس وقت تک حاضرین کی تعداد بالکل کم ہو گئی تھی اور بقیہ اصحاب کو حیرت تھی کہ انہیں ایک ایسے شاعر کے کلام سے جسے تاریخی اور ادبی حیثیت سے کچھ اہمیت حاصل نہیں آخر مقصد کیا ہے۔ ایک مضمون ہندستان میں دیہی ترقی سے بھی متعلق تھا اور دراصل ایک مضمون کے علاوہ دیگر تمام مضامین

کا معیار کچھ بلند نہ تھا۔ آخر تقریباً ۵ $\frac{1}{2}$ بجے شام مجلس برخاست کی۔

دوسرے روز صبح ۹ $\frac{1}{2}$ بجے کانفرنس کے شعبہ اُردو کا اجلاس پُتال کے سامنے کھلے مہدان میں زیرِ مہارت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی شروع ہوا۔ سب سے پہلے مولوی مہیش پرشاد صاحب نے غالب کے متعلق ایک نہایت بصیرت افروز مضمون پڑھا اور ساتھ ہی ساتھ حاضرین کو جن کی تعداد کل ۱۷ تھی دیوان غالب کا ایک چھپا ہوا نسخہ دکھایا جو باعتبار زمانہ غالب مرحوم کے دیوان کے تمام دستِ باب شدہ مطبوعہ نسخوں سے زیادہ قدیم تھا۔ من بعد مولوی سید مقبول احمد صدائے نے مرزا جہانگیر کے متعلق اپنا مضمون پڑھ کر سنایا۔ ایک صاحب نے حضرت عاصی غازی پوری کی شاعری پر جن کے متعلق اُن کا خیال تھا وہ دبستان ناسخ کے مہری ہیں اپنا مضمون پڑھ کر سنایا جو عام طور پر پسند کیا گیا۔ مولانا احمد مکرم صاحب اعظمی کا مضمون جس کا موضوع اُردو و ہندی کا بھائی چارا تھا نہایت کدو کاوش کے بعد قایت محققانہ انداز میں لکھا گیا تھا چنانچہ اس میں شک نہیں کہ اُردو اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب تولانے میں جہاں تک بالخصوص دونوں کے رسم الخط کا تعلق ہے اس سے عمدہ تجاویز شاید ہی کوئی پیش کر سکے۔ دو من رسم الخط کی حمایت میں بھی ایک مضمون پڑھا گیا لیکن اُس میں ایسی تجاویز سے بالکل بحث نہیں کی گئی تھی جنہیں تعمیری کہا جاسکے۔

جب مضمون پڑھ جاچکے تو ملتت کشن پرشاد صاحب کول نے اُردو کے املے کی درستگی کی جانب حاضرین کی توجہ کو مبذول کرتے ہوئے یہ سوال کیا کہ وہ کون سے اسباب تھے جن کے باعث اس مسئلہ پر جو

کچھ عرصے پہلے ہندستانی اکیڈمی کے زیرِ فور تھا کلارہ کشی اختیار کر لی گئی اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی نے فرمایا کہ سنہ ۲۹ ع میں ایک کمیٹی میں انہوں نے بعض تجاویز اس مشکل کو حل کرنے کے لیے پیش کی تھیں اور ہندی کے حامیوں نے بھی ان تجاویز کو پسند کیا تھا مگر چونکہ ان تجاویز کو عمل میں لانے سے بعض نئے قائب کے حروف بدوانے پڑتے لہذا مالی مشکلات کے پیشِ نظر اس خیال کو ترک کر دیا گیا - انہوں نے اردو کے لیے دو من رسم الخط کے اختیار کرنے کے بھی خلاف رائے دیتے کہا کہ اُس میں اردو کے حروف علت کے باعث دقتیں پیش آئیں گی یہ دقتیں ترکی زبان کے دو من حروف میں لکھتے وقت اس لیے پیش نہیں آئیں کہ ترکی زبان میں Long Vowels نہیں ہیں اور اس امر پر زور دیا کہ ہندستان میں ذوق مطالعہ اور باہمی اخلاص کی کمی دراصل ان تمام مشکلات کا باعث ہیں اور اگر یہ خامیاں کسی طرح دور ہو جائیں گی تو پھر دقتوں پر کسی نہ کسی طرح عبور حاصل کر ہی لیا جائیگا —

اس کے بعد چونکہ اور کوئی مسئلہ بحث کے لیے پیش نہیں کیا گیا اس لیے دوسرے روز کی کاروائی صدیقی صاحب کی اس تقریر کے بعد ختم ہو گئی —

دوسرے روز کی کاروائی کا آغاز کانفرنس پندال میں ٹھیک دس بجے مرزا محمد عسکری صاحب کے مضمون سے ہوا جو انہوں نے فسانہ آزاد کے متعلق لکھا تھا اور جس میں وہ سرشار کی سے نوشی فسانہ آزاد کی ضخامت 'پلاٹ کی بدمزگی اور بے ربطی لیکن زبان کے چلتا رہے کی موجودگی کے باعث اُس پر مطلق کسی کی نظر نہ پڑنے کے متعلق اور بالخصوص وہ فوجی کے کردار

کی تعریف و توصیف میں رطب السانی سے کام لیتے ہوئے حضرت چک بہت اور پختہ بشن نرائین در کے مضامین سے بھی چار ہاتھ آئے پڑے گئے تھے۔ اس کے بعد مشہور احمد صاحب علوی نے حاضرین کو جن کی تعداد ۴۰ تک پہنچ گئی تھی لکھنؤ اور لکھنؤ کی شاعری پر اپنا مضمون پڑھ کر سنانا شروع کیا اور اس مضمون میں انہوں نے بیان کیا کہ انہا اور ذوق فہر فطری شاعر تھے اور کہ اس زمانے میں دہلی کے مقابلہ میں لکھنؤ میں زیادہ خوش فکر اور خوش گو شاعر جمع تھے جنہوں نے غزل کو معراج کمال پر پہنچا دیا تھا۔ علوی صاحب کے بعد مولوی عبدالساجد صاحب دریابادی نے ایک مضمون جس کا عنوان ایک نئی آئین اکبری تھا اور جس کی نسبت یہ تھیں تھیں تھا کہ وہ کوئی تاریخی مضمون ہوگا لیکن در حقیقت اس میں اکبر الہ آبادی کے کمال کو نہایت شگفتہ زبان میں بے نقاب کیا گیا تھا پڑھ کر سنایا میں بعد آغا مہدی حسن صاحب کی باری آئی اور چونکہ اُن کا مضمون جس میں اس مسئلہ سے بحث کی گئی تھی کہ انگریزوں نے جو عام طور پر تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں اُن میں فرقہ وارانہ مذاہب کو بھڑکانے کے لیے اکثر واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے بہت طویل تھا اس لیے صاحب صدر کو متعدد مرتبہ اُن سے اپنا مضمون جلد از جلد ختم کرنے کی درخواست کرنی پڑی اور چونکہ صاحب موصوف کے مضمون ختم ہو جانے کے بعد وقت بہت کم رہ گیا تھا اس لیے مولوی سعید انصاری صاحب اور مولانا اظہر علی آزاد صاحب کے مضامین جن کے عنوانات ”اصغر و اقبال“ کی شاعری اور ”اردو زبان کی ہمہ گیری“ تھے پڑھ کر نہ سلائے جاسکے البتہ شوکت تھانوی صاحب کو جنہوں نے اپنے مخصوص انداز میں بہت کے دہلندوں

سے مجبور ہو کر اصولوں کی قربانی اور بالخصوص لکھنؤ کی تہذیب کے
 اُچو جانے پر پھینکا کسی نہیں اپنا مقصود سلمانے کی اجازت دی گئی —
 ۱ — کے قریب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے کانفرنس کا اجلاس
 ۲ — درخواست کرتے ہوئے جلد مختصر الوداعی کلمات میں اس خیال پر نہایت
 افسوس ظاہر کیا کہ اُن مشامہن سے جو حاضرین کے سامنے پڑھے گئے تھے
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا مذاق اس قدر گرا ہوا ہے کہ اُن کے ادبی
 کارنامے محض لطائف و طرائف پر مبنی ہیں اور بہت زیادہ کاوش سے
 کام لیا تو تاریخ نویسی تک ختم ہو جاتے ہیں اور زندگی کے حقائق سے مطلق
 بحث نہیں کی جاتی اور دعا کی کہ خدا کرے عوام کے مذاق کی یہ
 پستی جلد از جلد دور ہو جائے —



تبصر

صفحہ	نام کتاب	صفحہ	ادب	نام کتاب
	فلسفہ			
۲۳۰	فلسفہ مجسم -	۲۲۲		داغ -
	مذہب و اخلاق	۲۲۳		پہلی یاس اور مہلی ساند -
		۲۲۳		تسخیر یاس -
		۲۲۵		حمید کے سو شعر -
۲۳۱	بلاغ الحق -	۲۲۶		دیوان باقر -
	اردو کے جدید رسالے	۲۲۷		افسانہ -
		۲۲۸		نمدن متیق -
۲۳۲	عارف -			اخلاق و تصوف
۲۳۲	محقق -			(۱) سرور ہستی - (۲) نور ہستی - ۲۲۹

تبصرہ ادب

داغ

(مولفہ نورالہ محمد نوری صاحب - قلم دستگیر تاجر کتب
حیدرآباد دکن مجلد قیمت ۵ روپے آٹھ آنے - چھوٹی تقطیع
صفحات ۲۰۸)

اس کتاب میں فصیح الملک نواب مرزا داغ کے سوانح حیات ہیں اور کلام پر تبصرہ ہے - کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں مولف نے اس پر بحث کی ہے کہ اگر ادیب اور شاعر اپنے کلام کی وجہ سے قابل تعریف ہیں تو وہ بادشاہ اور امرا بھی اُن سے کم قابل تحسین نہیں چلے گئے ان ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی کی اگر وہ سرپرستی اور قدر نہ کرتے تو ان ادیبوں اور شاعروں کو فروغ نہ ہوتا - اس بحث میں مولف نے بعض کام کی باتیں لکھی ہیں لیکن اس کو اتنا بڑھا

دیا ہے کہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے —

تقریباً نصف کتاب میں حالات ہیں جو انہوں نے بہت محنت سے اور مختلف کتابوں اور خصوصاً حضرت احسن مارہروی کی کتاب سے جمع کئے ہیں اور اس کے علاوہ داغ کے بعض شاگردوں اور اُن کے مقامی احباب سے بھی بہت سے باتیں دریافت کر کے لکھی ہیں کتاب کے باقی نصف حصے میں کلام پر تبصرہ ہے - داغ غزل کے بادشاہ ہیں، ہائی اصناف سخن میں انہیں کوئی ممتاز درجہ حاصل نہیں - ان کے کلام کی اصل خصوصیت جیسا کہ مولانا حالی نے ایک جگہ لکھا ہے یہ ہے کہ ”داغ کی غزل میں باوجود زبان کی صفائی، روز مرہ کی پابندی اور معادہ کی بہتات کے طرز ادا میں ایک شوخی اور تیکھا پن ہے جو اسی شخص کا حصہ ہے“ مولف نے کپہلچ تان کر بعض اور خصوصیات سے بھی بحث کی ہے جو زیادہ قابل لحاظ نہیں ہیں ایک باب کا عنوان ”داغ کا ہندوستانی زبان میں تعمیری حصہ“ ہے - اس میں مولف نے زیادہ تر صرف و نحو سے بحث کی ہے اور غیر ضروری طول دیا ہے - اس میں داغ کی اصلاحوں کا ذکر ہے - آخر میں داغ کے ممتاز اور نامور شعرا کا مختصر ذکر اور اُن کے کلام کا نمونہ ہے —

مولف نے جس محنت اور شوق سے یہ کتاب لکھی ہے وہ قابل داد

ہے اور جس قدر حالات وغیرہ اس میں جمع کر دے ہیں وہ کسی دوسرے جگہ نہیں ملتے - داغ کے قندازاں اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں - لکھائی

اور چھپائی اور کاغذ بہت نفیس ہے

پیلی یاس اور میلی سانک -

(مترجمہ تملانی صاحب - پنجاب بک ڈپو لاہور - قیمت بارہ آنے)

ماتر لانگ بلجی ہے اور اس زمانے کا نہایت نامور ادیب اور ڈراما نگار ہے۔ اس کے ڈراموں میں خاص جدت، حسن اور قوت پائی جاتی ہے اس کا طرز بیان نہایت سادہ اور لطیف ہے۔ وہ معمولی زندگی سے پرے ایسی چیزوں کی تلاش میں جاتا ہے جو آنکھ سے اوجھل ہیں۔ وہ مثالیت کا شوقاں ہے۔ حقیقت کو مثال میں بیان کرتا ہے۔ یہ ڈراما جس کا ترجمہ تملانی صاحب نے اردو میں کیا ہے اُس کی اعلیٰ تصانیف میں سے ہے اور اس کی دوس خہال کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔ یہ ڈراما اس زمانے کی بہترین کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ تملانی صاحب نے ترجمہ بھی اچھا کیا ہے لیکن تھوڑائی کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کتاب کے شروع میں پروفیسر شری عالم آزاد جلیلی صاحب نے ماتر لانک کے حالات اور کلام پر بہت اچھا مقدمہ لکھا ہے۔

تسخیر یاس

(کلام مولانا سید محمد شرف الدین یاس تونکی - مکتبہ جامعہ

ملیہ اسلامہ دہلی - قیمت پانچ آنے)

یہ یاس صاحب تونکی کے کلام کا پہلا حصہ ہے اس میں اُن کا صرف ابتدائی کلام ہے جو ۱۹ فزولوں پر مشتمل ہے۔ ان کے کلام میں صفائی، روانی اور لطف پایا جاتا ہے۔ نونے کے لیے یہاں صرف ایک فزول نقل کی جاتی ہے جس سے ان کا انداز کلام ظاہر ہوگا۔

ہے ہم الفت تو دم بہر زندگی اچھی نہیں
 ہو ترا بہسار اچھا وہ گھڑی اچھی نہیں
 جان کو اپنی نہ کوسو یہ ہلسی اچھی نہیں
 کرئی اچھی ہے گھڑی کوئی گھڑی اچھی نہیں
 دل میں گلجائش نہ ہو تو دل لگی اچھی نہیں
 جو دلانے کے لیے ہو وہ ہلسی اچھی نہیں
 صدقے عہش دو جہاں قربان عمر جاوداں
 تیرے ہم کے سامنے کوئی خوشی اچھی نہیں
 مت متاکر ولولے کچھہ رہ گئی ہوں حسرتیں
 بچھہ گئی دل کی لگی پھر بھی بچھی اچھی نہیں
 دل یہ کہتا ہے کہ بس اُن کی توقع ہو چکی
 شوق کہتا ہے کہ یہ کم ہمتی اچھی نہیں
 ہمارے کس کے ظلم کا روز جزا ہوں داد خواہ
 حق تو یہ ہے میرے حق میں مصلیٰ اچھی نہیں
 اک نہیں ہے تو نہیں عاشق نوازی کی ادا
 ورنہ تجھہ میں بات ظالم کونسی اچھی نہیں
 بھول کر امیدوار اپنا نہ کہنا پاس کو
 یاد رکھنا آج سے یہ دل لگی اچھی نہیں

حیدر کے سو شعور -

(خواجہ حمید الدین حمید - نامی پریس لکھنؤ ٹرسٹ چار آلے)

یہ خواجہ حمید صاحب کے کلام کا انتخاب مرزا نقیب نے کیا - ہمارے

شعرا میں ایک ہوا مہب یہ ہے کہ وہ اپنے ہر شعر کو انتساب سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دیوان بھکار اور بھرتی کے اشعار سے بھرے پڑے ہیں۔ خواجہ صاحب نے خوب کہا جو اپنے کلام میں سے صرف سو شعر منتخب کر کے شایع کھے اور انتساب بھی ایسے صاحب سے کرایا جو ہفتہ نظر اور صاحب ذوق شاعر ہیں۔ نکچہ یہ ہے کہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور شعر میں کچھ نہ کچھ لطف پایا جاتا ہے۔

دیوان باقر -

(مرتبہ مولوی حافظ سید عطا حسین صاحب ایم۔ اے)

سی۔ ای۔ ایم، آراء، اس، بی۔ قہمت دورو پے آتھ آئے۔

مرتب سے (معطلہ لکنم پلی ' حیدر آباد دکن) مل سکتا ہے)۔

حضرت سید شاہ باقر علی مرحوم فارسی کے باکمال شاعر تھے، فارسی زبان سے خاص ملاہمت تھی اور اس پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ان کا کلام بہت کچھ ضائع ہو گیا اور جو بچا وہ کبھی شایع نہ ہوا۔ خوشی کی بات ہے کہ مرحوم کے فرزند رشید مولوی عطا حسین صاحب نے جو خود صاحب علم و فضل ہیں، ان کے کلام کو جہاں تک دستیاب ہوا، اب شایع کر دیا ہے۔ کلام کے پڑھنے سے ان کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ اس میں درد و تاثیر ہے، روانی و فصاحت ہے اور وہ خاص لطف و لذت موجود ہے جو صوفی اہل اللہ کے کلام میں ہوتی ہے۔ ان کا دیوان پڑھ کر چہرے ہوتی ہے کہ خاک ہند سے ایسے ایسے باکمال فارسی گو شاعر پیدا ہوئے جو ایران کے بڑے بڑے اساتذہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔

حضرت باقر پھر بگہ (بہار) میں سنہ ۱۸۲۱ ع میں پیدا ہوئے اور چونکہ ان کے بعض عزیز و اقارب کی سکونت آدہ میں تھی، اس لئے آدہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ وہ صرف ایک صاحب ذوق شاعر ہی نہ تھے بلکہ انہیں مختلف علوم و فنون میں بھی کمال حاصل تھا۔

کتاب کے شروع میں فاضل مرتب نے حضرت باقر اور ان کے خاندان و اسلاف کے حالات اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ جن اصحاب کو فارسی شعر کا ذوق ہے وہ حضرت باقر کے کلام کا ضرور مطالعہ کریں۔ کوئی فزل ایسی نہیں جو لطیف و اثریے خالی ہو۔

افسانہ =

از احمد صدیقی صاحب مجنوں گورکھ پوری -

صفحہ ۱۳۶ - کتابت طہاعت و گافز — معمولی - قیمت

ایک روپیہ ۸ آنے ملنے کا پتہ — ایوان اشاعت گورکھ پور -

۵۰ مقالوں کا مجموعہ ہے جو ادبی مجلسوں میں پڑھ کر سنائے گئے تھے۔ ایک کا عنوان ہے ' افسانہ اردو اس کی غایت ' اور دوسرے کا ' اردو افسانہ '۔

پہلے مضمون میں افسانے کے عناصر اور مختلف پہلوؤں کا تفصیلی بیان ہے اور تشریح کے لئے جا بجا مغربی تصنیفوں کی مثالیں دی گئی ہیں۔ جو لوگ مغربی ادب سے زیادہ واقف نہیں ہیں انہیں اسے سمجھنے میں دقت ہوگی۔ مضمون بجائے خود لائق تحسین ہے اور اس کا مطالعہ مبتدیوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے زمانہ حال میں تحلیل نفسی اور اشتراکیت

کے ادبی اسکولوں نے فن افسانہ نگاری میں جو انقلاب برپا کر دیا ہے، موافق نے اس کا ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے یہ بیان کچھ پرانا اور ادھورا رہ گیا۔ طامس ہارڈی کی توصیف میں غلو سے کام لیا ہے اور اس کے ایک ناول Tess کو طالسٹائی کے شاہکار ”اینا کریلنا“ پر فوقیت دے دالی ہے۔

دوسرا مضمون اس لحاظ سے تشلہ ہے کہ اس میں اردو کے حالیہ افسانہ نگاروں کے ذکر سے پہلو نہیں کی ہے۔ بیسویں صدی کے فسانہ نگاروں میں پریم چند انتہائی کے علاوہ صرف تین چار حضرات کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے سجاد حیدر اور جلیل تدوائی کی حیثیت صرف مترجموں کی ہے۔ ان صاحبوں کو اردو کے سب سے اچھے مترجم کہنا صحیح نہ ہوگا۔ ناولوں اور افسانوں کے ترجمے میں مولوی علایت اللہ دہلوی کا نام یقیناً سر فہرست آتا ہے۔

سب نئے لکھے والوں کو حقارت سے ”تقدی دل“ کہہ کر چھوڑ دینا بھی بڑا ظلم ہے۔ بہر حال اس موضوع پر اردو میں جو تھوڑی سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ بھی غنیمت ہے۔ قیمت زیادہ ہے۔

”ناخدا“



نقدان عتیق

(۱) ابو ظفر اور عطاء الرحمن صاحبان صدعات ۲۳۳ - کتابت طباعت و کاغذ - صائد - مجلد اور مصور قیمت - (صرف ریاست کے لئے) ۳ روپے - ملے کا پتہ - بک ڈپو - سٹی کالج حیدر آباد اس نالغ میں آغاز گوئی سے لے کر ظہور مسیح سے کچھ عرصے

پہلے تک کا جستہ جستہ حال لکھا ہے۔ کتاب درسی ضروریات کو مدنظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اور طلباء کی ذہنی نمو کا خاص خیال رکھا ہے۔ یہاں آسان اور سلیجھا ہوا ہے البتہ بعض حصوں کو لکھتے ہوئے اسناد سے غفلت برتی گئی ہے۔ تصویروں اور نقشوں نے کتاب کو زیادہ مفید اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ قیمت البتہ زیادہ ہے اور پھر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے تعین میں ریاست کی تفصیص کیوں کی گئی ہے۔



اخلاق و تصوف

۱- سرور ہستی

۲- نور ہستی

(مولفہ یلڈت نرمل چندر صاحب، پروفیسر دیال سنگھ کالج

لاہور۔ سٹیج گھان پبلشنگ سوسائٹی اوکاڑہ، پنجاب۔ قیمت

ایک روپیہ و ایک روپیہ چار آنے)

پروفیسر نرمل چندر کی یہ دو کتابیں ہمیں سچا اخلاق اور دنیا میں رہ کر بے لوث اور پاک زندگی بسر کرنا سکھاتی ہیں۔ ان میں علم و حکمت کی ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو فاضل مولف کے گہرے مطالعہ، مشاہدہ اور غور و فکر پر مبنی ہیں اور ہر مسئلہ کو انہوں نے ایسی خوبی اور سلاست سے بیان کیا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا اور اعلیٰ تعلیم یافتہ دونوں لطاف حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہر مذہب و ملت کا آدمی یکساں مستفید ہو سکتا ہے۔ ان کا مشرب صوفیانہ ہے اور صوفیانہ خیالات کو سائنس کے ساتھ سمو کر ایک نیا لطف اور نئی روش پیدا

کر رہی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ مثلاً 'زندگی'، 'زندگی کے معنی'، 'کمال زندگی'، 'دکھ'، 'لذت'، 'گناہ'، 'خودی' کا ظہور، 'بہادری' اور 'آخری حقیقت'، 'انسانی زندگی کا قانون'، 'کثرت میں وحدت'، 'انسانی زندگی کا مقصد'، 'قریب عقیدت'، 'جھوٹے بہانے'، 'راہ نجات'، 'تہذیب (موجودہ و آئندہ)' وغیرہ پر بہت سلیجھدہ اور معقول خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ ہمیں ان کتابوں کے مطالعے سے بہت خوشی ہوئی اور امید ہے کہ یہ اردو دان طبقے میں مقبول ہوں گی۔

فلسفہ

فلسفہ عجم

(مترجمہ مولوی مہر حسن الدین صاحب بی۔ اے 'ایل ایل -

بی۔ احمدیہ پریس، حیدرآباد دکن)

The Development of Metaphysics مقالے مشہور مقالے

in persia کا ترجمہ ہے۔ اسے تصنیف ہوئے تقریباً ۲۷ سال ہوتے ہیں۔ جیسا

کہ خود علامہ اقبال نے تحریر فرمایا ہے اس کتاب میں دو امور سے

بحث کی گئی ہے۔

(۱) میں نے ایرانی فکر کے منطقی تسلسل کا سراغ لگانے کی کوشش کی

ہے اور اس کو میں نے فلسفہ جدید کی زبان میں ادا کیا ہے۔

(۲) تصوف کے موضوع پر میں نے زیادہ سائنٹیفک طریقے سے بحث کی

ہے اور ان ذہنی حالات و شرائط کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی

ہے جو اسی قسم کے واقعے کو معرض ظہور میں لے آتے ہیں۔ لہذا اس

کھال کے برخلاف جو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے میں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تصوف ان مختلف عقلی و اخلاقی قوتوں کے باہمی عمل و اثر کا لازمی نتیجہ ہے جو ایک خوابِ بیدار روح کو بیدار کر کے زندگی کے اعلیٰ ترین نصب العین کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ —

یہ بہت اہم تحقیقی مقالہ ہے جس میں ایرانی مابعدالطبیعات اور تصوف سے بحث کی گئی ہے، اردو میں اس کا ترجمہ آسان کام نہ تھا لیکن مولوی حسن الدین صاحب نے اس کام کو بڑی خوبی سے انجام دیا ہے، اور ان کی یہ محنت قابل تحسین ہے۔ —

مذہبِ اخلاق

بلاغ الحق

(مصلحت شمس العلماء حافظ سید مصعب الحق صاحب)

پرفضا، پقلہ - قیمت دو روپے)

شمس العلماء مولانا مصعب الحق اس سے قبل دعوتِ الحق شرعہ الحق، ملہاج الحق شایع کرچکے ہیں۔ یہ کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔ مولانا میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف قرآن مجید سے استدلال فرماتے ہیں اور قرآن ہی سے انہوں نے تمام عقائد اور ارکان اسلام کی تشریح کی ہے قرآن کے رموز و معانی پر مولانا کی بڑی گہری نظر ہے۔ یہ ان کی آخری کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے حدیث، اسوۂ حسنہ، اطاعتِ رسول

ایمان ، عقائد ، عبادت ، معاملات ، حلال و حرام اور دیگر مسائل پر بحث کی ہے ۔ اور اس میں بھی انہوں نے تمام اعتدال قرآن و ہدایت میں سے کیا ہے ۔ کتاب مطالعہ کے قابل ہے ۔

اُردو کے جدید رسالے

عارف ۔

(مدیر عبدالرحمن شوق - بل روڈ ، لاہور - جلد سالانہ

ایک روپیہ)

لاہور کے ماہانہ رسالوں میں ایک اور اضافہ ہوا ہے ۔ اگرچہ عنوان پر " اسلامی ، ادبی ، تمدنی ، معاشرتی مضامین کا رسالہ لکھا ہے " لیکن جزو غالب مذہبی مضامین کا ہے ۔ اس رسالہ کے مالک ملک دین مصدق تاجر کتب میں اور اس لیے ان کی کتابوں کے اشتہار بھی رسالے کا ایک جزو ہے ۔ ایک روپیہ سالانہ قیمت میں یہ رسالہ فی الحقیقت بہت ارزاں ہے ۔ بہت اچھا چھپتا ہے اور خاصی بڑی قطعہ کے ۴۰ صفحہ مضامین کے ہوتے ہیں ۔

مصطفیٰ ۔

(بہاول پور - سالانہ جلد تین روپے)

یہ رسالہ اسی مہلے بہاول پور سے شائع ہوا ہے ۔ اس کے قارئین خواجہ شجاع منجمی ایم ۔ اے (علیگ) - ایم ۔ ایس - سی - ایم ۔ اے

(پنجاب) ادیٹر، رازی عرفانی - مہتمم شعبۂ نسواں بہکم ج - ش
 رفعت دہلوی، بی - اے - نگران ادبیات، مولوی حافظ عبدالرحمن
 علامہ مولوی فاضل - نگران سنسکرتیات - پلذت مدن سنگھ شاستری،
 ودیا بھاسکر —

جو رسالہ اس اہتمام سے شایع ہوا ہے وہ ضرور قابل قدر ہونا چاہئے۔
 عنوان پر درج ہے ”تحقیق کا علمی، ادبی، صنعتی وغیرہ ماہوار رسالہ“
 لیکن اس میں شک نہیں کہ رسالے کے لیے اچھے اچھے ادیبوں کے مضامین
 مہیا کیے گئے ہیں۔ یہ پہلا رسالہ ہے جس میں علاوہ ادارۃ کے پوراؤڈ،
 پروفیسر غلام مصطفیٰ الدین، ڈاکٹر عذلیب شادانی وغیرہ کے بھی مضامین
 درج رسالہ میں۔ رسالہ دلچسپ اور مفید ہے اور امید ہوتی ہے کہ
 آئندہ زیادہ ترقی کرے گا۔



مطبوعات انجمن ترقی اردو

نام کتاب	مجلد غیرمجلد	نام کتاب	مجلد غیرمجلد
دلسفۂ تعلیم	۲ - ۱ - ۱۲	دوپے آنے روپے آنے	۳ - ۲ - ۸
القول الاظهر	۱ - ۰ - ۸	تاریخ اخلاق یورپ حصہ اول	۲ - ۸ - ۰
ملہایان ہند	۲ - ۱ - ۸	تاریخ اخلاق یورپ حصہ دوم	۲ - ۸ - ۰
مراثی ہنود	۳ - ۸ - ۰	تاریخ یونان قدیم	۲ - ۰ - ۰
القمر	۱ - ۰ - ۱۰	نکات الشعرا	۲ - ۲ - ۱۲
دین تندن حصہ اول	۲ - ۱ - ۸	وضع اصطلاحات	۳ - ۱۲ - ۳
دین تندن حصہ دوم	۲ - ۱ - ۸	بجلی کے کرشمے	۱ - ۱۲ - ۳
دلسفۂ جذبات	۲ - ۸ - ۰	تاریخ ملل قدیمہ	۱ - ۱۲ - ۰
انجیرونی	۲ - ۱ - ۸	محاسن کلام غالب	۱ - ۰ - ۰
دریائے لطافت	۳ - ۲ - ۸	قواعد اردو	۲ - ۸ - ۰
ہدایات الارض	۲ - ۸ - ۰	تذکرۂ شعرائے اردو	۱ - ۱۳ - ۶
مشاہیر یونان و رومہ حصہ اول	۳ - ۳ - ۰	جاپان اور اسکا تعلیمی نظم و نسق	۳ - ۲ - ۸
مشاہیر یونان و رومہ حصہ دوم	۳ - ۲ - ۸	تاریخ ہند ہاشمی	۰ - ۱ - ۱
اسباق اللہو حصہ اول	۰ - ۰ - ۶	مثنوی خواب و خیال	۱ - ۸ - ۰
اسباق اللہو حصہ دوم	۰ - ۰ - ۲	کلیات ولی	۵ - ۰ - ۳
علم المعیشت	۵ - ۸ - ۰	چمستان شعراء	۵ - ۸ - ۳
		ذکر میر	۰ - ۲ - ۰

(نوٹ - کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

ملیہ کا پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

مطبوعات انجمن ترقی اردو

مجلد غیرمجلد	نام کتاب	مجلد غیرمجلد	نام کتاب
دوپے آنے دوپے آنے		دوپے آنے دوپے آنے	
۲ - ۸ - ۲	گلزار ابراہیم	۴ - - - -	سہ نظم ہاشمی
۸ - - - -	مرہٹی زبان پر فاسی کا اثر	۸ - - - -	بزم مشاعرہ
۸ - - ۱ - -	اردو اور صوفیائے کرام	۸ ۲ - - ۲	دیوان اثر
۸ ۱ - - -	مرحوم دہلی کالج	۲ ۱ - ۸ ۱	مختزن نکات
- ۳ - ۸ ۳	حقیقت جاپان	۸ ۱ - - ۲	دیوان یقین
۸ ۳ - - ۴	مقالات حالی حصہ اول	- ۲ - - -	باغ و بہار یا قصہ چہار درویش
۸ ۱ - - ۲	مقالات حالی حصہ دوم	۸ ۳ - - ۳	گوئی کے کاؤست
۱۲ ۱ - ۳ ۲	کلیات تاباں	۸ ۴ - - ۵	ریاست
۸ ۳ - - ۵	خطبات گارساں دتاسی	۱۰ ۱ - - ۲	تذکرہ ہندی (از مصطفیٰ)
۱۰ - - - -	حبش اور اطالیہ (رعایتی)	- ۲ - ۸ ۲	ریا الفصحا (از مصطفیٰ)
۲ ۱ - ۱۰ ۱	گل عجائب	۱۲ - - ۲ ۱	عقد ثریا (از مصطفیٰ)
۶ - - - -	جنگ نامہ عالم علی خان	- ۳ - ۸ ۴	تاریخ ادبیات ایران (مترجمہ از براؤن)
- ۱ - ۶ ۱	ارتقا	۸ ۳ - - ۴	سب درس
- - - - ۶	لغت اصطلاحات علمیہ	۸ ۱ - - -	ترکوں کی اسلامی خدمات
- ۲ - ۸ ۲	انتخاب کلام میر	۴ - - - -	داستان رانی کھٹکی
		۱۳ - - ۴ ۱	تذکرہ شعرائے کجرات (گودینی)

(نوٹ - کل قیمتیں سکے انگریزی میں ہیں)

ملنے کا پتہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

سائنس

انجمن ترقی اردو کا باب ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوں گے، ان کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے۔ ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے۔

رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔

سالانہ چندہ چھ روپے سکے انگریزی (سات روپے سکے عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے سکے انگریزی (یا ایک روپیہ بارہ آنے سکے عثمانیہ) - طلباء کے ساتھ یہ رعایت کی جاتی ہے کہ یہ رسالہ بہ تصدیق پرنسپل صاحب یا ہیڈ ماسٹر صاحب انہیں چار روپے آٹھ آنے سکے انگریزی (پانچ روپے چار آنے سکے عثمانیہ) سالانہ چندے میں دیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ اردو زبان کے بھی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے۔

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

VOL, 17

JUNE 1937

No. 65



The Quarterly Journal

OF

The Anjuman-i-Taraqqi-e-Urdu

EDITED BY

Abdul Haq B. A. (Alig.)

HONORARY SECRETARY

Anjuman - i - Taraqqi - e - Urdu, Aurangabad, (Deccan).

